عرض احوال

بسم اللہ الرحمٰن الرّحیم

توہین رسالت پر مبنی خاکوں کی اشاعت

ڈنمارک کے اخبارات میں ایک مرتبہ پھر نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکے شائع کر دیے گئے ہیں' جس سے دنیا بھر کے مسلمان شدید اضطراب میں مبتلا ہیں۔ چنانچہ اِس شیطانی فعل کے خلاف مظاہرے ہو رہے ہیں اور غم وغصہ کا اظہار کیا جا رہا ہے۔ یہ شنیع حرکت پہلی بار نہیں ہوئی' بلکہ ایک عرصے سے مغرب کے جنونی اور انتہا پسند مسلمانوں کو کچوکے لگا رہے ہیں۔ سب سے پہلے گوانتا ناموبے کے امریکی عقوبت خانے' بگرام ائربیس اور ابوغریب جیل میں قرآن حکیم کی بے حرمتی کی گئی' تاکہ وہاں موجود مسلمان مجاہدین کو شدید ذہنی اذیت پہنچائی جا سکے۔

اڑھائی سال پہلے ۳۰ دسمبر ۲۰۰۵ء کو ڈنمارک کے اخبار جیلنڈز پوسٹن نے آپ ﷺ کی توہین پر مبنی خاکے شائع کیے تھے' جس پر عالم اسلام میں شدید احتجاج ہوا تھا۔ اِس گھناؤنے فعل پر صلیبی اور صیہونی دنیا نے بدترین تعصب اور حد درجہ ڈھٹائی کا مظاہرہ کیا تھا۔ بجائے اِس کے کہ ہر جانب سے اِس کی مذمت کی جاتی' کہ اِس سے دنیا کے ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے جذبات مجروح ہوئے' آزادیٔ اظہارِ رائے کی آڑ میں اِس کا دفاع کیا گیا' اور یورپ کے دیگر ممالک اور امریکہ کے بہت سے اخبارات نے بھی ڈنمارک کی تقلید کرتے ہوئے یہ خاکے شائع کر دیے تھے۔ حال ہی میں گارڈین اخبار نے یہ خبر دی ہے کہ ڈنمارک نے اُن توہین آمیز خاکوں کی اصل کاپیوں کو اپنی قومی لائبریری میں تحقیقی مقاصد کے لیے اور آثارِ قدیمہ کے طور پر محفوظ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

مسلمانوں کے جذبات کو شدید طور سے مجروح کر دینے والا ایسا ہی قدم کچھ عرصہ پہلے حکومت برطانیہ نے اُٹھایا اور اُس نے شاتمِ رسول ملعون سلمان رشدی کو ''سر'' کا خطاب دے دیا۔ اس پر پوری دنیا کے مسلمانوں نے احتجاج کیا اور مطالبہ کیا کہ رشدی سے یہ خطاب فی الفور واپس لیا جائے' مگر ہماری آواز صدا بصحرا ثابت ہوئی اور حکومت برطانیہ نے ایسا کرنے سے صاف انکار کر دیا۔

یہ صورتحال ہم سب کے لیے لمحۂ فکریہ ہے۔ مقامِ غور ہے کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ سیدھی سی بات ہے کہ یہ حق کے خلاف باطل کی یلغار ہے' اور حق و باطل کی کشمکش نئی بات نہیں' بلکہ روزِ اول سے چلی آ رہی ہے۔

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغِ مصطفویؐ سے شرارِ بولہبی

نبی اکرم ﷺ کے توہین آمیز خاکوں کی اشاعت اور قرآن حکیم کی بے حرمتی جیسی حرکات مسلمانوں کے خلاف باطل کی اُس جنگ کا حصہ ہیں جو آج کئی محاذوں پر لڑی جا رہی ہے۔ ایک محاذ عسکری ہے۔ اِس محاذ پر امریکہ صیہونیت کا ایجنٹ اور آلۂ کار بن کر برسرِ پیکار ہے' اور دیگر صلیبی دنیا اُس کی حلیف ہے۔ افغانستان اور عراق کے خلاف ننگی جارحیت اِس کی مثالیں ہیں۔ دوسرا محاذ تہذیب و ثقافت کا ہے۔ یہاں بھی میڈیا کی طاقت اور مسلم دنیا میں اپنے منظورِ نظر حکمران ٹولے کے ذریعے مغرب کی دجالی تہذیب کو بزورِ مسلط کیا جا رہا ہے' اور اسلامی تہذیب اور اُس کی اعلیٰ اقدار کو جڑ سے اکھیڑ دینے کی سازش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ آج عالمِ اسلام میں ہر جگہ مغربی تہذیب کا غلغلہ دکھائی دیتا ہے اور اسلامی تہذیب و ثقافت اور اس کی درخشندہ اقدار رخصت ہو رہی ہیں۔

تیسرا محاذ فکری اور نظریاتی ہے۔ بدقسمتی سے اِس محاذ پر بھی اسلام دشمن فاتح دکھائی دے رہے ہیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہم مسلمان جن کے پاس اعلیٰ ترین فکر اور بہترین نظامِ زندگی موجود ہے' مغربی فکر اور فلسفۂ زندگی سے نہ صرف متأثر اور مرعوب ہیں' بلکہ مغلوب ہو چکے ہیں۔ آج مسلمان فکری یا عملی طور پر مغرب کے مادہ پرستانہ تصورِ زندگی کو اپنا چکے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ ابلیس کے یہودی ایجنٹوں کی کامیابی ہے۔

یہودی اِس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ مسلمان اپنی تمام تر عملی کوتاہیوں اور اسلام اور اُس کی روشن تعلیمات سے بیگانگی کے باوجود ایک قوت سے ابھی تک مالا مال ہیں' اور وہ اپنے عظیم المرتبت نبیؐ اور رفیع الشان کتاب سے بے پناہ عقیدت اور بے انتہا جذباتی وابستگی ہے۔ لہٰذا اب وہ اس کوشش میں ہیں کہ مسلمانوں کے دلوں سے دینی غیرت و حمیت' نبی اکرم ﷺ سے محبت و عقیدت اور قرآن کے احترام کے جذبہ کو ختم یا کمزور کر دیا جائے۔ اِس سے پہلے وہ یہ کام عیسائی دنیا میں کامیابی سے انجام دے چکے ہیں۔ انہوں نے اپنی مذموم کوششوں اور گمراہ کن افکار سے عالمِ عیسائیت میں ایک ایسا ماحول پیدا کر دیا ہے جس میں دینی حمیت کو جذباتیت

کا مظہر سمجھا جاتا ہے اور کوئی شخص خواہ کسی عظیم المرتبت ہستی کے بارے میں بھی نازیبا کلمات کہے' اِسے آزادیٔ اظہار قرار دیا جاتا ہے۔ اِس کا نتیجہ ہے کہ عیسائی دنیا میں آج ایسے لوگ بھی ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ایسے ایسے الفاظ کہتے ہیں جنہیں ہم زبان پر بھی نہیں لا سکتے' مگر اُن کے خلاف صدائے احتجاج بلند نہیں ہوتی۔ یہودی یہ چاہتے ہیں کہ عیسائیوں کی طرح مسلمان بھی دینی غیرت سے محروم ہو جائیں۔ اُن کے عظیم المرتبت نبی اور جلیل القدر کتاب کے بارے میں کیسے ہی گھناؤنے خیالات پیش کیے جائیں' وہ اُن پر خاموش رہیں اور اِس مجرمانہ خاموشی کو رواداری کا تقاضا سمجھیں' حالانکہ یہ دینی حوالے سے سخت درجے کی بے حمیتی ہے' اور ایمان کے یکسر منافی ہے۔ آج قرآن حکیم کی توہین اور نبی اکرم ﷺ کی شان میں مجرمانہ گستاخی اِسی یہودی سازش کے تحت ہو رہی ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے اندر ایسے لوگ پیدا ہو رہے ہیں جو برملا کہتے ہیں کہ سلمان رشدی پر ہمیں اعتراض نہیں کرنا چاہیے' کیونکہ یہ جذباتیت کا مظہر ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو اپنے ایمان کی خیر منانی چاہیے۔ یہودیوں کی اِس ابلیسی گیم کا ایک اور نتیجہ یہ بھی نکل رہا ہے کہ پہلے کے مقابلے میں عوامی احتجاج میں بتدریج کمی آ رہی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کی طرف سے جو احتجاج پہلی بار خاکے شائع کیے جانے پر ہوا تھا' اُس طرح کا احتجاج اس بار نہیں ہوا۔

یہودی مسلمانوں میں دینی حمیت کو ختم کرنے کی سعی مذموم اِس لیے کر رہے ہیں تاکہ مستقبل کے اپنے عزائم کے راستے کی رکاوٹیں دور کر سکیں۔ وہ گاہے گاہے ایسی حرکات سے ہماری غیرت وحمیت اور نبض چیک کر رہے ہیں' اور یہ معلوم کر رہے ہیں کہ ہم میں کتنی جان باقی ہے' ہم کتنا احتجاج کر سکتے ہیں' اور یہ کتنا مؤثر ہو سکتا ہے۔ اُن کی دیرینہ منصوبہ بندی ہے' جس کے تحت انہوں نے مسجد اقصیٰ کو شہید کرنا ہے اور وہاں تھرڈ ٹمپل تعمیر کرنا ہے۔ پھر یہ کہ گریٹر اسرائیل کا قیام بھی اُن کے پیش نظر ہے' اور گریٹر اسرائیل اُن تمام علاقوں پر مشتمل ہو گا جن پر یہودیوں کی عظیم مقابی سلطنت قائم ہوئی تھی۔ انہیں مسلمانوں کی دینی حمیت اور جذبۂ جہاد سے خطرہ ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کی شہادت سے مسلمانوں بالخصوص عرب دنیا اور مجاہدین میں اس کا شدید ردعمل ہو گا۔ لہٰذا وہ چاہتے ہیں کہ اِس ممکنہ خطرے کی پیش بندی کی جائے۔

اِس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ مغضوب قوم یہودی اور اُن کے صلیبی ایجنٹ اپنی شیطانی حرکات کے ذریعے نبی اکرم ﷺ کے مقام رفیع کو نہیں گھٹا سکتے۔ اگر کوئی احمق اور

نادان چاند پر تھوکنے کی کوشش کرے تو اُس کا اپنا ہی منہ گندا ہوگا۔ اگر کوئی سورج کو بے نور کہے یا اُس کی کرنوں کو روکنا چاہے تو یہ اُس کا پاگل پن ہوگا' اِس سے سورج پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ البتہ یہ صورتحال ہم مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ ضرور ہے۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ آج ہم دشمن کی نگاہ میں اتنے حقیر اور بے وقعت کیوں ہو گئے ہیں کہ وہ ہر محاذ پر ہمیں چرکے لگا رہا ہے۔ ہماری یہ زبوں حالی اللہ کے دین سے بے وفائی کا نتیجہ ہے' اور اِس لیے ہے کہ شاید ہم ہوش میں آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذابات دیتا ہے' تاکہ سنبھلنے والے سنبھل جائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں۔

آج ہم اس قدر لاچار اور بے بس ہو چکے ہیں کہ ڈنمارک سے سفارتی اور تجارتی تعلقات بھی منقطع نہیں کر سکتے' حالانکہ تحفظ ناموسِ رسالت کے لیے یہ ایک معمولی قدم ہے۔ آج ہم اپنے نبیٔ برحق ﷺ کی شان میں گستاخی پر صرف عوامی سطح پر احتجاج پر ہی اکتفا کر رہے ہیں۔ اور چونکہ ریاستی سطح پر اِس کے خلاف کوئی اقدام نہیں ہو رہا' لہٰذا صلیبی دنیا ہمارے احتجاج کو کوئی اہمیت نہیں دے رہی۔ دشمن دوبارہ گستاخانہ حرکتیں کرتے ہیں' توہین آمیز خاکے شائع کرتے ہیں۔

آج ضرورت اِس امر کی ہے ہم میں سے ہر شخص انفرادی طور پر اپنا محاسبہ کرے کہ اُس نے نبیٔ مکرم ﷺ کی پاکیزہ تعلیمات اور مبارک اُسوہ کو کس قدر اختیار کیا ہے' اور کہاں کمی ہے' اور پھر اِس کمی کا ازالہ کرے۔ پھر یہ کہ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اپنے جسم و جان کی صلاحیتیں لگا دے۔

کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا' لوح و قلم تیرے ہیں!

❁❁

اطلاع برائے قارئین

قارئین کرام اور ایجنٹ حضرات نوٹ فرمالیں کہ میثاق کے زیرِنظر شمارے کی حیثیت خصوصی اشاعت کی ہے اور یہ دو ماہ (اپریل' مئی ۲۰۰۸ء) کے شماروں کے قائم مقام ہے۔ اسی مناسبت سے اس کی ضخامت میں خاطر خواہ اضافہ کر دیا گیا ہے۔ قیمت فی شمارہ ۳۰ روپے ہے۔

تذکرہ و تبصرہ

یاس و امید کے مختلف ادوار کے بعد

اہلِ پاکستان کا نیا امتحان

مذہبی و سیاسی قائدین کی خدمت میں چند گزارشات

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۲ مارچ ۲۰۰۸ء کا خطاب

بمقام: قرآن آڈیٹوریم' نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

نحمدہٗ ونصلی علٰی رَسولہِ الکریم ..... امَّا بَعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

﴿وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾﴾ (آل عمران)

﴿وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۱۱۱﴾﴾ (الانبیآء)

جو حضرات فکری طور پر میرے زیادہ قریب ہیں یا وہ لوگ جو میری تقاریر اور خطبات میں باقاعدگی سے شریک ہوتے رہتے ہیں ان کے علم میں یہ بات ہے کہ گزشتہ پانچ چھ سال سے میری سوچ میں پاکستان کے مستقبل کے بارے میں مایوسی پیدا ہوئی اور رفتہ رفتہ وہ مایوسی اپنی شدت کو پہنچ گئی۔ چنانچہ آج سے ٹھیک چار سال قبل ۲۹ فروری ۲۰۰۴ء کو اسی آڈیٹوریم میں مَیں نے تقریر کی تھی جس کا عنوان تھا: ''کیا پاکستان کے خاتمے کی اُلٹی گنتی شروع ہو چکی ہے؟'' اس سوال کے جواب میں مَیں نے یہی کہا تھا کہ جی ہاں' پاکستان کے خاتمے کی الٹی گنتی شروع ہو چکی ہے۔ اس سے آپ کو

میرے شدتِ احساس کے عالم کا اندازہ ہو گیا ہو گا کہ میں کس حد تک پاکستان کے وجود کو لاحق خطرات کو محسوس کر رہا تھا اور پاکستان کے مستقبل کے بارے میں مجھ پر کس درجے مایوسی طاری ہو چکی تھی۔ البتہ پچھلے ایک سال کے دوران کچھ ایسے واقعات ظہور پذیر ہوئے ہیں جن سے مجھے مایوسی کے اندھیاروں میں روشنی کی کچھ کرنیں نظر آئی ہیں۔ آج اسی حوالے سے آپ کی خدمت میں کچھ گزارشات پیش کرنا چاہ رہا ہوں۔

سب سے پہلی بات تو یہ واضح ہو جائے کہ پاکستان سے وابستہ میری امید' جو ختم ہوئی اور اب پھر کچھ اس کا آغاز ہو رہا ہے' صرف اس اعتبار سے نہیں ہے کہ مسلمانوں کا ایک ملک باقی رہے' اس کے اندر اپنی خود اختیاری ہو' یہ باوقار ہو' اپنے پاؤں پر کھڑا ہو' اپنی پالیسیاں خود طے کرے۔ یہ تمام چیزیں بھی مطلوب اور پسندیدہ ہیں جنہیں ہونا چاہیے' لیکن میری اُمید کا تعلق ایک بالکل دوسری بات سے ہے۔ وہ یہ کہ میرے قلب و ذہن میں تقریباً یقین کے درجے میں یہ بات تھی کہ احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور عالمی سطح پر اس کے غلبے کی جو نوید دی گئی ہے اس عمل کا نقطۂ آغاز پاکستان ہے۔ درحقیقت یہ یقین اور اُمید تھی جس کو مختلف حالات و واقعات سے ضعف پہنچا۔ اکثر و بیشتر میرا حال امید و بیم کے درمیان' مایوسی اور رجا کے مابین رہا۔ کبھی اِدھر کا پلڑا بھاری ہو جاتا تو کبھی اُدھر کا۔ میں زمینی حقائق کو دیکھتا تھا تو مایوسی کا غلبہ ہوتا' لیکن جب نگاہ پس پردہ حقائق کی جانب جاتی تو امید کا پلڑا بھاری ہو جاتا۔ دراصل مجھے یہ یقین حاصل رہا ہے کہ یہ ملک اصل میں اللہ تعالیٰ کی ایک سکیم اور ایک حکمت کے تحت وجود میں آیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی یہ بات اِن شاء اللہ پوری کرائے گا کہ اس دنیا کے خاتمے سے قبل' قیامت سے پہلے پوری دنیا میں اسلام کا بول بالا ہو گا' اسلامی نظام قائم ہو گا' دین حق غالب ہو گا' خلافت علیٰ منہاج النبوۃ کا نظام قائم ہو گا۔

میری اُمید کی اساس

ملک خداداد پاکستان کے بارے میں میری اس اُمید اور یقین کی جو بنیادیں تھیں ان کا میں اگرچہ بارہا تذکرہ کر چکا ہوں' لیکن آج پھر گنوا دیتا ہوں۔

(۱) ختم نبوت کے بعد سب سے بڑا دینی منصب' جو بعد میں بھی جاری رہا ہے' وہ مجدد دین اُمت کا ہے۔ سنن ابی داؤد کی روایت کے مطابق حضور ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ عَامٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِيْنَهَا))

''اللہ تعالیٰ میری اس اُمت میں ہر صدی کے سرے پر ایسے لوگوں کو اٹھاتا رہے گا جو دین کی تجدید کر دیں گے۔''

سو سال کے دوران دینی تعلیمات اور تصورات پر جو گرد و غبار آ گیا ہو گا یا جو بدعات اور رسومات کا طومار لوگوں نے کھڑا کر دیا ہو گا ان سب کو صاف کر کے' جھاڑ جھنکاڑ کو ختم کر کے صاف شفاف اور خالص اسلام پھر دنیا کے سامنے لایا جائے گا۔ اس حدیث کے مطابق ہمیں معلوم ہے کہ ہر صدی میں مجدد دین اٹھے۔ سب سے پہلے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ تھے' جن کو خلفائے راشدین میں بھی شمار کیا جاتا ہے اگرچہ وہ بنواُمیہ میں سے تھے۔ ایک ہزار برس تک سارے مجددین عالم عرب میں پیدا ہوئے' لیکن جیسے ہی دوسرا ہزار سال شروع ہوا تو یہ منصب جنوبی ایشیا میں منتقل ہو گیا۔ گیارہویں صدی کے مجدد حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی' بارہویں صدی کے مجدد شاہ ولی اللہ دہلوی' تیرہویں صدی کے مجدد سید احمد شہید بریلوی اور چودھویں صدی کے مجدد اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمۃ اللہ علیہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اشارہ ہے اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ نے اس خطے سے اب کوئی خاص کام لینا ہے۔

(۲) پچھلی صدی کے آغاز میں خلافت عثمانی کو ختم کرنے کے لیے عالمی سطح پر یہودیوں اور ان کی آلۂ کار برطانوی حکومت کی سرپرستی میں جو سازشیں ہو رہی تھیں' ہندوستان میں اس کے خلاف احتجاج کے طور پر تحریک خلافت چلی۔ یہ ایک بڑی عظیم تحریک تھی جس سے شرقاً غرباً' شمالاً جنوباً پورا ہندوستان گونج اٹھا ؎

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو!
ساتھ ہوں تیرے شوکت علی بھی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو!

اس میں کتنے ہی لوگ گرفتار ہوئے اور ان پر مقدمہ چلا۔ اس حوالے سے مقدمۂ کراچی بہت مشہور ہے۔ یہ ساری تحریک صرف ہندوستان میں چلی‘ حالانکہ خلافت تو پوری اُمت مسلمہ کا معاملہ تھا‘ صرف ہندوستان کے مسلمانوں کا تو نہیں تھا۔ اگر اس کے خلاف سازش ہو رہی تھی تو احتجاج پورے عالمِ اسلام میں ہونا چاہیے تھا جبکہ سوائے ہندوستان کے کہیں اور کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی۔ اب یہ بھی ایک اشارہ ہے کہ مستقبل میں جنوبی ایشیا کے اس علاقے سے اللہ تعالیٰ کوئی خدمت لینا چاہتا ہے۔

(۳) یہ بڑا اہم نکتہ یہ ہے کہ یورپی نوآبادیاتی نظام کا شکار ممالک میں جب آزادی کی تحریکیں چلیں اور انہوں نے ایک ایک کر کے آزاد ہونا شروع کیا تو تمام عالمِ اسلام میں یہ تحریکیں مقامی نیشنلزم کی بنیاد پر چلی ہیں‘ جیسے عرب نیشنلزم اور ترک نیشنلزم۔ لیکن تمام عالمِ اسلام میں ایک تحریک ایسی تھی کہ وہ کسی نسلی عصبیت‘ کسی لسانی عصبیت‘ کسی نسبی عصبیت پر نہیں بلکہ خالص اسلام کے نعرہ پر چلی: ’’پاکستان کا مطلب کیا؟ لا الٰہ اِلاّ اللہ‘‘۔ پھر آپ کو معلوم ہے کہ تحریک پاکستان کے دوران علامہ اقبال اور قائداعظم محمد علی جناح نے اسلام کے حوالے سے صاف اور واشگاف انداز میں باتیں کیں۔ مصورِ پاکستان علامہ اقبال کو یقین تھا کہ ہندوستان کے شمال مغرب میں ایک آزاد اسلامی ریاست کا قیام تقدیر مبرم ہے۔ انہوں نے کہا کہ اگر ایسا ہو گیا تو ہمیں موقع مل جائے گا کہ اسلام کے چہرے پر عرب ملوکیت کے جو بدنما داغ اور دھبے آ گئے ہیں ان کو ہٹا کر اسلام کا صحیح نقشہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ تھا نظریۂ پاکستان! ہمارے بعض دانشور کہتے ہیں کہ نظریۂ پاکستان کا کوئی وجود ہی نہیں تھا۔ ہوسکتا ہے اس لفظ اور اس عنوان کے ساتھ نہ ہو‘ جیسا کہ ہمارے ہاں بعض لوگوں نے کہہ دیا کہ شراب کے لیے لفظ حرام تو نہیں آیا ہے۔ میں نے ان سے کہا کہ زنا کے لیے بھی قرآن میں لفظ حرام نہیں آیا ہے‘ لیکن حرمت کے لیے اور بے شمار الفاظ ہیں جو حرام کے لفظ سے بھی زیادہ زوردار ہیں۔ ایک شے نجس قرار دی جا رہی ہے‘ ﴿رِجۡسٌ مِّنۡ عَمَلِ الشَّیۡطٰنِ﴾ قرار دی جا رہی ہے‘ اس کے لیے ﴿فَاجۡتَنِبُوۡہُ﴾ کہا جا رہا ہے کہ ’’پس اس سے باز آ جاؤ!‘‘ ﴿فَہَلۡ اَنۡتُمۡ

مُّنۡتَهُوۡنَ﴾ کے الفاظ لائے جا رہے ہیں کہ ''پس تم باز آتے ہو یا نہیں؟''. اسی طرح علامہ اقبال کے خطبۂ الٰہ آباد کا جو جملہ میں نے آپ کو سنایا' یہ نظریۂ پاکستان ہے۔ محمد علی جناح اُس وقت تک ابھی قائداعظم نہیں بنے تھے اور ہندوستان کے حالات سے مایوس ہو کر انگلستان میں جا کر آباد ہو چکے تھے۔ وہاں انھوں نے کوٹھی خرید کر لیگل پریکٹس شروع کر دی تھی۔ ۱۹۳۲ء میں تیسری گول میز کانفرنس کے موقع پر علامہ اقبال نے ان سے ملاقاتیں کیں اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ ہندوستان آ کر اسلام کے نقطۂ نگاہ سے عوام کی رہنمائی کریں۔ اس پر وہ واپس آئے اور پھر قائداعظم بنے' اس لیے کہ انہوں نے مسلمانانِ ہندوستان کے دل کی بات کہی۔ پورے ہندوستان میں انہوں نے اسلام کا غلغلہ بلند کیا۔ لہٰذا اس اعتبار سے کوئی اور مثال پوری دنیا میں موجود نہیں ہے۔ یہ صرف اسی تحریک کا خاصہ ہے کہ یہ اسلام کے نام پر چلی۔

(۴) واقعہ یہ ہے کہ پاکستان کا قیام ایک معجزے کے طور پر ہوا ہے۔ ۱۹۸۵ء میں میری کتاب ''استحکام پاکستان'' شائع ہوئی تھی۔ اس میں مَیں نے تفصیل کے ساتھ بحث کر کے ثابت کیا ہے کہ پاکستان کے قیام کے لیے کوئی بھی عام دنیاوی حالات و واقعات اور اسباب قطعاً موجود نہیں تھے۔ مسلمان اقلیت میں تھے جبکہ ہندو اکثریت میں' جو زیادہ بیدار' زیادہ تعلیم یافتہ' زیادہ سرمایہ دار' زیادہ صنعتکار' زیادہ تاجر اور تجارت پر قابض تھے۔ پھر کہاں کانگریس جیسی جماعت اور گاندھی جیسا لیڈر! پوری دنیا میں اس کا سکہ بیٹھا ہوا تھا۔ دوسری جانب مسلم لیگ ایک جماعت تو تھی نہیں' محض ایک تحریک تھی۔ جذبات کے اندر ایک جوش آیا اور ایک رو چل نکلی' ورنہ مسلم لیگ نام کی حقیقت میں کوئی جماعت تھی ہی نہیں۔ اسی لیے پاکستان بننے کے فوراً بعد مسلم لیگ ختم ہو گئی۔ پھر یہ دیکھئے کہ خود مسلمانوں میں سے کتنے طاقتور حلقے پاکستان کے قیام کے خلاف تھے۔ مولانا حسین احمد مدنیؒ کی سرکردگی میں جمعیت علماء ہند قیامِ پاکستان کی بہت بڑی مخالف تھی۔ باچا خان' یعنی خان عبدالغفار خان جو سرحدی گاندھی کہلاتے تھے' ان کی خدائی خدمت گار تحریک پاکستان کی شدید مخالف تھی۔ مولانا ابوالکلام آزاد جیسا جینئس پاکستان کا

مخالف تھا۔ پنجاب میں ایک بہت بڑی جماعت جس نے عطاء اللہ شاہ بخاری اور احسان احمد شجاع آبادی جیسے مقررین پیدا کیے‘ وہ بھی قیامِ پاکستان کی شدید مخالف تھی۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انگلستان میں اُس وقت لیبر پارٹی کی گورنمنٹ تھی جو کہ مسلم لیگ کی مخالف تھی۔ برطانیہ کا وزیراعظم لارڈ ایٹلی (Attlee) قائداعظم سے نفرت کرتا تھا‘ جبکہ ہندوستان کا وائسرائے ماؤنٹ بیٹن گاندھی کا چیلا تھا۔

اس کے باوجود کیسے ہوگیا یہ معجزہ؟ اور معجزہ کس لیے ہوا؟ معجزہ اسی کو کہتے ہیں جو بات عام مادی قوانین سے ہٹ کر ہو جائے۔ عام قانون یہ ہے کہ پانی اپنی سطح برقرار رکھتا ہے‘ جبکہ یہ معجزہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا پانی پر گرا اور سمندر پھٹ گیا۔ عام مادی قانون ہے کہ آگ جلا دیتی ہے‘ لیکن جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو اس نے نہیں جلایا‘ یہ معجزہ ہے۔ اسی طرح جو بھی زمینی حالات تھے اس کے اعتبار سے پاکستان کے قیام کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا‘ لیکن ایسا ہوا۔

(۵) پھر یہ کہ قیامِ پاکستان شب قدر میں ہوا‘ رمضان المبارک کی ستائیسویں شب میں۔ گویا ایک طرح سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ نازل ہوا ہے۔ یہ سارے حالات میرے نزدیک ایک معجزہ ہیں اور یہی وہ چیز ہے جس کی بنا پر مجھے اُمید تھی کہ اس ملک میں حقیقی اسلام کے متعلق جو اقبال کا vision تھا وہ شرمندۂ تعبیر ہوگا۔ اسی کا ڈھنڈورا قائداعظم نے پیٹا تھا اور پورے ہندوستان میں اس کا راگ الاپا تھا‘ اسی کے لیے پورے ہندوستان کے مسلمانوں نے مسلم لیگ کو ووٹ دیا تھا‘ حتیٰ کہ وہ علاقے جن کو پاکستان میں شامل بھی نہیں ہونا تھا‘ انہوں نے بھی ووٹ دیا۔ یہ بات کسی کی سمجھ میں آنے والی نہیں۔ مثلاً مدراس کو تو پاکستان کے اندر نہیں آنا تھا‘ ممبئی کو تو نہیں آنا تھا‘ سی پی اور یوپی کو تو نہیں آنا تھا۔ یہاں کے مسلمانوں نے ووٹ دیا تو صرف اسلام کے نام پر! انہوں نے یہ سوچا کہ ہم پر جو بیتے گی وہ ہم سہہ لیں گے‘ لیکن اگر واقعتاً کوئی ایسی شکل پیدا ہو رہی ہے کہ ایک مسلمان اکثریت کا ملک وجود میں آجائے اور وہاں اسلام کو نافذ کیا جا سکے تو ہمیں قربانیاں دینے میں کوئی ہچکچاہٹ نہیں ہے۔ ان آثار کی بنا پر مجھے اُمید تھی۔

میری امید کی اساس کا دوسرا پہلو ''آخری ایام'' (End Times) سے متعلق تھا۔ ''End Times'' کی اصطلاح آج کل عام ہو رہی ہے۔ یعنی دنیا کے جو آخری ایام ہوں گے ان کے بارے میں تورات' انجیل اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ جیسا کہ میں نے بتایا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا کے خاتمے سے پہلے پوری دنیا پر اللہ کا دین غالب ہوگا' نظام خلافت علیٰ منہاج النبوت قائم ہوگا' اور یہ سب کچھ قیامت سے پہلے ہو کر رہے گا۔ ان احادیث میں یہ بھی اشارہ ہے کہ یہ معاملہ شروع کہاں سے ہوگا۔ ظاہر بات ہے کہ پہلی مرتبہ جب خلافت قائم ہوئی تو محمدؐ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے نتیجے میں قائم ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے خلافت کی ابتدا اوّلاً خود حضور ﷺ کے دست مبارک سے جزیرہ نمائے عرب سے ہوئی اور پھر بتدریج یہ سلسلہ دنیا کے ملکوں میں پھیلتا چلا گیا۔ پھر جب فتوحات کا دور شروع ہوا تو ربع صدی سے بھی کم عرصے میں یہ نظام دنیا کے بڑے رقبے پر قائم ہو گیا۔

اسی طرح اب بھی یہ نظام قائم ہوگا اور پوری دنیا میں قائم ہوگا' لیکن اس کی ابتدا کہاں سے ہوگی؟ رسول اللہ ﷺ نے اس کا اشارہ فرما دیا کہ آخری مجدد جو آنے والے ہیں وہ حضرت مہدی ہوں گے اور وہ مجدد کامل ہوں گے۔ یعنی جتنے مجدد عمر بن عبدالعزیزؒ کے بعد آئے ہیں ان کے ذمے جزوی تجدید اور اصلاح کا کام تھا۔ کسی معاملے کے اندر خرابی ہوگئی تو اُس کی اصلاح کر دی' کسی مسئلے میں بگاڑ آ گیا تو اس کو دور کر دیا' لیکن مکمل تجدید' جس سے مراد ایک نظام حکومت کا دوبارہ قائم ہو جانا اور خلافت راشدہ کا دوبارہ قائم ہو جانا ہے' یہ تو کسی کے ہاں نہیں ہوئی۔ تاہم اب جو مجدد آنے والے ہیں وہ کامل مجدد ہوں گے' ان کے ذریعے اللہ کا دین ایک پورے نظام کی حیثیت سے پوری دنیا میں قائم ہوگا۔ اس کے لیے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ مہدی کا ظہور تو عرب میں ہوگا لیکن اس کی حکومت کو قائم کرنے کے لیے فوجیں ایک ایسے ملک سے آئیں گی جو جزیرہ نمائے عرب کے مشرق میں واقع ہوگا:

((یَخْرُجُ نَاسٌ مِنَ الْمَشْرِقِ فَیُوَطِّئُوْنَ لِلْمَھْدِیِّ یَعْنِیْ سُلْطَانَہٗ)) (ابن ماجہ)

یہ حدیث مبارکہ کے الفاظ ہیں کہ مشرق کی طرف سے لوگ نکل کر آئیں گے جو مہدی کی حکومت کو مضبوط کریں گے۔ میرے نزدیک اس کا یہ مطلب ہے کہ مہدی کی آمد سے پہلے کسی مشرقی ملک میں وہ نظام قائم ہو چکا ہوگا' تبھی تو ان کی مدد کے لیے لوگ آئیں گے۔ ویسے تو عرب کے مشرق میں ایران بھی ہے' افغانستان بھی ہے' پاکستان بھی ہے اور پورا بھارت بھی ہے۔ اس اعتبار سے علامہ اقبال نے بھی اپنے ایک ترانے میں کہا ہے کہ ؎

میر عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے
میرا وطن وہی ہے' میرا وطن ہی ہے

اس شعر میں اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''مجھے ہند کی جانب سے ٹھنڈی ہوا آ رہی ہے''۔

یہ اشارات ظاہر کرتے ہیں کہ پاکستان اور افغانستان کے جمع ہو کر ایک ملک بننے کے بعد یہاں پر وہ نظام دوبارہ قائم ہوگا' واللہ اعلم!

بہرحال یہ بات تو میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ میری اُمید جسے دھچکے لگتے رہے' جسے مایوسی کے زخم لگتے رہے' یہ تھی۔ پاکستان کے بارے میں میری اُمید صرف ایک عام ملک کی حیثیت سے نہیں تھی۔ مسلمان ملک اور بھی بے شمار ہیں' لیکن: ع ''خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولؐ ہاشمی'' کے مصداق دنیا میں پاکستان جیسا ملک کوئی نہیں ہے' کیونکہ پاکستان کے قیام کا ایک خاص پس منظر ہے۔ آج یہ بات پوری دنیا میں مانی جاتی ہے۔ ۲۳ سال پہلے لندن میں ایک بڑی کانفرنس ہوئی تھی جس میں پورے عالمِ اسلام کی تحریکوں کے کچھ لوگ جمع ہوئے تھے اور ان سب کا اس بات پر اتفاق ہوا تھا کہ اگر دنیا میں کہیں نظامِ خلافت کے قائم ہونے کا امکان ہے تو وہ صرف اور صرف پاکستان ہے۔ یہ امیدیں تھیں اور یہ احساس تھا جس کا میں آپ کے سامنے ذکر کر رہا ہوں کہ مجھے جو دھچکا لگا ہے وہ اتنا بڑا تھا۔ یہ احساس صرف اس اعتبار سے نہیں تھا کہ یہ ایک ملک ہے اور مسلمانوں کا ملک ہے۔ یہ بات بجائے خود ٹھیک ہے کہ اس ملک کو باعزت ہونا چاہیے' باوقار ہونا چاہیے' اپنے قدموں پر کھڑا ہو' اپنی پالیسی خود بنا رہا ہو' دنیا کے اندر اس کی ایک

عزت ہو اور اس کا نام احترام کے ساتھ لیا جائے۔ یہ بھی مطلوب اور پسندیدہ چیزیں ہیں۔ لیکن اس سے کہیں بڑی وہ توقع اور امید تھی جس کو مختلف مواقع پر زک پہنچتی رہی۔ اسی لیے مجھے نعیم صدیقی مرحوم کا وہ شعر بہت پسند ہے جو اسی کیفیت کا آئینہ دار ہے:

اے آندھیو! سنبھل کے چلو اس دیار میں
امید کے چراغ جلائے ہوئے ہیں ہم!

یاس و اُمید کے مختلف ادوار

میری اس اُمید کو مختلف مواقع پر جو زک پہنچتی رہی، مایوسی کے جو دھچکے لگتے رہے ان کا میں ایک جائزہ لینا چاہتا ہوں۔

(۱) ۱۹۴۹ء میں قرارداد مقاصد کے پاس ہونے سے امید کا چراغ روشن ہوا۔ قراردادِ مقاصد میں اصولاً پاکستان میں نظامِ خلافت کے قیام کا فیصلہ ہو گیا تھا۔ خلافت کسے کہتے ہیں؟ خلافت وہ نظام ہے جس میں مسلمان اللہ کی حاکمیت کو تسلیم کریں اور رسولؐ کے احکام کی روشنی میں مشاورت سے حکومت کریں۔ اس کا فیصلہ قرارداد مقاصد میں ہو گیا کہ حاکمیت اعلیٰ (Sovereignty) اللہ کی ہوگی، ہمارے پاس جو اختیار بھی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور یہ اپنی حدود کے اندر استعمال ہوگا، جو کتاب اللہ اور سنت رسولؐ کے ذریعے طے کر لی گئی ہیں۔ چنانچہ نظامِ خلافت کا اصولی فیصلہ ہو گیا۔ پھر جب بہت سے لوگوں نے اعتراضات کیے کہ کس کا اسلام نافذ کرو گے، دیوبندیوں کا، شیعوں کا، سنیوں کا یا اہلحدیث کا؟ تو اُس وقت یہ بھی معجزہ ہی ہوا کہ ایک سال بعد ۱۹۵۰ء میں تمام مکاتبِ فکر کی چوٹی کی قیادت جمع ہوئی۔ دیوبندی، بریلوی، اہل حدیث، شیعہ اور جماعت اسلامی کے چوٹی کے قائدین جمع ہوئے اور ان ۳۱ علماء نے متفقہ طور پر اسلامی دستور کی تدوین کے بارے میں بائیس نکات معین کر کے دے دیے۔ اوّلاً قراردادِ مقاصد کی منظوری اور ثانیاً علماء کے اس اتحاد و اتفاق سے بڑی اچھی امیدیں وابستہ ہو گئی تھیں کہ واقعتاً پاکستان کے قیام کا جو مقصد ہے اس کی طرف پیش رفت ہو رہی ہے۔ لیکن اس کے بعد جو کچھ ہمارے ملک میں ہوا وہ بہت مایوس کن ہے۔ غلام محمد اور

اس کے بعد اسکندر مرزا نے جودھا چوکڑی مچائی اور اس طرح جو فساد برپا ہوا' اس کے نتیجے میں مایوسی پیدا ہوگئی۔

(۲) کچھ عرصے کے بعد پھر امید کی کرن اُبھری جب چودھری محمد علی صاحب پاکستان کے وزیراعظم بنے۔ انہوں نے ۱۹۵۶ء میں ایک دستور مرتب کرایا' جس میں اسلامی دفعات فیصلہ کن انداز میں شامل کی گئیں۔ اس سے اُمید کا ایک چراغ روشن ہوا۔ لیکن ۱۹۵۸ء میں جب ایوب خان آیا تو اس نے پورے منظر کی بساط ہی لپیٹ دی۔ اُس نے دستور اور دستوریہ کو پامال کر کے رکھ دیا اور سب کچھ ختم کر کے مارشل لاء نافذ کر کے بیٹھ گیا۔ اُس وقت انتہائی مایوسی کی کیفیت پیدا ہوئی۔

(۳) ایوبی دور میں عائلی قوانین پاس کیے گئے جن کو پہلے آرڈیننس کی شکل میں نافذ کیا گیا' پھر قانون کا درجہ دے دیا گیا۔ ان عائلی قوانین میں شریعت کے احکام کو بدل دیا گیا۔ واقعہ یہ ہے کہ جو کام انگریز نے نہیں کیا تھا وہ کام اسلامی جمہوریہ پاکستان میں کیا گیا۔ یہ وہ کام تھا جو آج تک ہندوستان میں بدترین دشمن اسلام نہیں کروا سکے' وہ کام جو بی جے پی اور اس کی حکومت بھی نہیں کروا سکی' حالانکہ اس کے دستور میں ''کامن سول کوڈ'' کا ذکر ہے کہ جب بھارت کے ہندو اور مسلمان مل کر ایک قوم بن گئے ہیں اور مسلمانوں نے بھی مان لیا ہے کہ ہم اسی قوم کا حصہ ہیں تو ہمارے مشترکہ قوانین ہونے چاہئیں' عائلی قوانین اور نکاح وطلاق کے معاملات بھی ایک جیسے ہونے چاہئیں' لیکن ان کی خواہش کے باوجود یہ نہیں ہوسکا۔

طلاق کے ایک مقدمے میں کلکتہ ہائی کورٹ نے ایک فیصلہ دیا تھا جو شریعت میں اضافہ تھا۔ اس فیصلے میں شریعت کی کسی شق کو ختم نہیں کیا گیا تھا' لیکن اس پر مسلمانوں کی طرف سے اتنی زبردست تحریک چلی کہ لوگوں نے جانیں تک دے دیں۔ تمام مسلمان جماعتیں جمع ہوگئیں' مسلم پرسنل لاء بورڈ قائم ہوگیا اور مولانا علی میاں' جو خالص غیر سیاسی آدمی تھے' اس بورڈ کے صدر منتخب ہوئے۔ اس تحریک کے نتیجے میں وزیراعظم راجیو گاندھی کو لوک سبھا میں یہ کہنا پڑا کہ آئندہ ہندوستان کی کوئی عدالت مسلمانوں کے عائلی

قوانین میں دخل نہیں دے سکتی۔ اُس نے اپنی تقریر میں کہا تھا کہ میں نے پہلے اسلام کا مطالعہ نہیں کیا تھا' اب جب یہ مسئلہ اُٹھ کھڑا ہوا ہے تو اب میں نے مطالعہ کیا ہے' اور میں سمجھتا ہوں کہ عورتوں کو جتنے حقوق اسلام نے دیے ہیں کسی دوسرے مذہب نے نہیں دیے۔ یہ راجیو گاندھی کا قول ہے جو ان کی لوک سبھا کی کارروائی میں محفوظ ہے۔ جبکہ ہمارے ہاں ایک ڈکٹیٹر نے شرعی قوانین میں ترمیم کی اور تمام فکر کے علماء نے کہا کہ یہ عائلی قوانین اسلام کے خلاف ہیں' لیکن بدقسمتی اور مایوسی والی بات یہ تھی کہ اس کے خلاف کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی گئی۔ احتجاجی تحریک اگر چلی ہے تو جمہوریت کے لیے' بلکہ جمہوریت کے لیے سیکولر' مذہبی' دائیں اور بائیں بازو کی سب جماعتیں جمع ہو گئیں۔ اور جو اسلام کے اندر قطع و برید ہو رہی ہے' اسلام کا چہرہ بگاڑا جا رہا ہے اور وہ قوانین آج تک قائم ہیں ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں۔ جبکہ ان قوانین کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں فساد برپا ہے۔

(۴) پھر ۱۹۷۰ء کے الیکشن آئے۔ کچھ مذہبی جماعتوں نے بڑے زور شور' بڑی امیدوں اور دعووں کے ساتھ ان انتخابات میں حصہ لیا تھا' لیکن اس کے نتائج انتہائی مایوس کن برآمد ہوئے۔ ان انتخابات میں مشرقی اور مغربی پاکستان دونوں حصوں سے بائیں بازو کی سیکولر جماعتوں کو زیادہ ووٹ ملے۔ یہ ہمارے نزدیک ایک بہت ہی مایوس کن مرحلہ تھا۔ ان حالات میں اُمید کے چراغ بجھنے لگے اور معلوم ہوا کہ اس ملک کی تقدیر وہ نظر نہیں آ رہی جو ہم نے سمجھی تھی۔

(۵) اس کے بعد ۱۹۷۱ء میں ملک دولخت ہو گیا۔ گویا ہم نے اللہ کے ساتھ جو وعدہ خلافی کی تھی' اللہ نے اس کی سزا کا پہلا کوڑا ہماری پیٹھ پر دے مارا۔ اللہ کی سنت یہ ہے کہ وہ عذاب سے پہلے قوموں کو مہلت دیتا ہے اور اس نے ہمیں بھی پچیس سال کی مہلت دی تھی' یعنی ۱۴/اگست ۱۹۴۷ء سے لے کر ۱۶ دسمبر ۱۹۷۱ء تک قمری حساب سے پچیس برس بیت گئے۔ ان ۲۵ برسوں میں ہمارا امتحان لیا گیا' اس کے بعد مہلت عمل ختم ہو گئی اور ملک دولخت ہو گیا۔ ہمیں کتنی زبردست شکست کا سامنا کرنا پڑا اور اس طرح کلنک کا

جو ٹیکا ہمارے ماتھے پر لگا ہم اس داغ کو ابھی تک نہیں دھو سکے۔ درحقیقت قرآن مجید میں سورۃ السجدۃ کی آیت ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴿۲۱﴾﴾ اسی انجام سے خبردار کرتی ہے۔ یہ اللہ کا قانون ہے کہ کسی قوم کو بالکل برباد کرنے سے پہلے وہ چھوٹے چھوٹے عذاب بھیجتا ہے تاکہ نیند کے ماتے جاگ جائیں اور جو مدہوش ہیں وہ ہوش میں آ جائیں۔

(۶) ۱۹۷۷ء میں جب نظامِ مصطفیٰ تحریک چلی تو پھر ایک اُمید پیدا ہوئی۔ اگرچہ مجھے اس تحریک سے بوجوہ کوئی امید وابستہ نہیں تھی' لیکن اس تحریک کا جوش وخروش اور ولولہ یہ بتاتا تھا کہ بس اب نظامِ مصطفیٰ کی منزل قریب ہے۔ یہ تحریک بہت جاندار اور شان دار تھی' مگر حقیقت کے اعتبار سے وہ ایک خالص سیاسی تحریک تھی' جس کا نام پاکستان نیشنل الائنس (PNA) رکھا گیا تھا۔ بنیادی طور پر اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں تھا' مگر جب قربانیاں دینے کا وقت آیا اور ابتلاء وآزمائش کا دَور شروع ہوا تو اس کا نام نظامِ مصطفیٰ تحریک رکھا گیا' اس لیے کہ مسلمان اسلام کے نام پر ہر قربانی دے سکتا ہے۔ اس تحریک میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کا نظامِ مصطفیٰ سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا' یعنی سیکولر ذہن کے لوگ' جو برملا اور علی الاعلان سیکولر تھے۔ یہ اینٹی بھٹو موومنٹ تھی اور اس کو اصل ایندھن امریکہ سے مل رہا تھا۔ دراصل امریکہ بھٹو کو اس جرم کی سزا دینا چاہتا تھا جس کا ارتکاب بھٹو نے ایٹمی پروگرام ختم نہ کر کے کیا تھا۔ بھٹو کو کسنجر نے یہ باور کرادیا تھا کہ اگر باز نہیں آؤ گے تو ہم تمہیں بھی نشانِ عبرت بنادیں گے۔

(۷) بعد ازاں ضیاء الحق کے دور میں (۱۹۷۷ء تا ۱۹۸۸ء) مجھے کچھ عرصے کے لیے یہ خیال ہوا کہ شاید یہ شخص اسلام کے لیے کچھ کرے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں ضیاء الحق کے متعلق اس خوش فہمی کا شکار رہا کہ یہ شخص واقعتاً کچھ کرنا چاہتا ہے' لیکن میں اس خوش فہمی میں چند ماہ سے زیادہ مبتلا نہیں رہا۔ چنانچہ اس کی شوریٰ میں جب مجھے شمولیت کی دعوت دی گئی تو میں نے یہ دعوت قبول کر لی۔ اس سے پہلے اُس نے مجھے مرکزی وزارت کی پیشکش کی تھی جس کو میں نے قبول نہیں کیا تھا' بلکہ میں نے یہ کہا تھا کہ میں اس

کا اہل نہیں، میرا گزر کبھی اقتدار کے ایوانوں میں ہوا ہی نہیں اور نہ میں یہاں کے آداب سے واقف ہوں۔ دوسرے یہ کہ آپ نے ہمیں کرنے کچھ بھی نہیں دینا۔ اس لیے کہ اصل حکومت فوج کی ہے۔ خود ضیاء الحق نے کہا تھا کہ ''میرا حلقۂ انتخاب فوج ہے''۔ تو ظاہر بات ہے اسے اپنے اس حلقۂ انتخاب کو مطمئن رکھنا تھا۔ البتہ میں نے شوریٰ میں شرکت قبول کر لی، کیونکہ شوریٰ کا کام تو مشورہ دینا ہے۔ میں اپنی مسجد اور منبر سے اربابِ اقتدار کو مشورے دیتا رہتا ہوں کہ یہ نہ کریں، یہ کریں، یہ آپ غلط کر رہے ہیں، یہ ٹھیک راستہ ہے، وغیرہ۔ تو اگر براہِ راست کوئی بات کہنے کا موقع ملتا ہے تو اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ لیکن جلد ہی میں نے صحیح صورت حال کا ادراک کر لیا۔ میں نے شوریٰ کے دو سیشن اٹینڈ کیے تھے، جن سے مجھے اندازہ ہوا کہ یہ صرف ایک دکھاوا اور ظاہری لیپا پوتی ہے، جس کا مقصد امریکی رائے عامہ کو یہ باور کرانا ہے کہ میری حکومت خالص فوجی حکومت نہیں ہے بلکہ اس میں سویلین بھی شامل ہیں۔

اس کے بعد ضیاء الحق نے جو بھی قدم اٹھائے، واقعہ یہ ہے کہ وہ انتہائی نیم دلانہ اور بہت ہی سطحی سے اقدامات تھے۔ چنانچہ نظامِ مصطفیٰ تحریک کے جوش و جذبہ کو بڑی آسانی سے سٹیم آؤٹ کر دیا گیا اور اس کا سارا جوش و خروش ختم ہو کر رہ گیا۔ نام نہاد اسلامائزیشن کی طرف پیش رفت کے لیے صلوٰۃ آرڈیننس جیسی چیزوں کا سہارا لیا گیا کہ سرکاری دفاتر میں ظہر کی نماز ہوا کرے گی۔ کچھ عرصہ یہ سلسلہ چلتا رہا۔ بہرحال اس کا بھی مذاق ہی بنا کہ یہ نماز ضیاء الحق کی ہے، اللہ کی نہیں۔ اس کے بعد ایک زکوٰۃ آرڈیننس لایا گیا جس میں شیعہ سنی کو علیحدہ کیا گیا اور زکوٰۃ کو اس طرح بدنام کیا گیا کہ بینک ڈپازٹس پر سود کا ایک حصہ بطورِ زکوٰۃ کاٹا جانے لگا۔ جبکہ اموالِ تجارت پر جو اصل زکوٰۃ ہوتی ہے اُس کا نام تک نہیں لیا گیا۔ اس کے بعد حدود آرڈیننس آیا۔ اس آرڈیننس کے بارے میں امریکہ میں بھی ضیاء الحق سے پوچھا گیا تھا کہ یہ آپ کیسے قوانین پاس کر رہے ہیں! تو اس نے کہا تھا کہ میری باتوں پر نہ جائیے، میرا عمل دیکھئے! میں نے آج تک کسی کو شرعی سزا دی ہے؟ کسی چور کا ہاتھ کٹا ہے؟ کسی زانی یا زانیہ کو رجم کیا گیا ہے؟ کسی کو کوڑے لگے

ہیں؟ یہ دیکھیں میں کر کیا رہا ہوں' یہ نہ دیکھیں کہ میں کہہ کیا رہا ہوں۔ مجھے اپنے ملک کے عوام کو مطمئن کرنے اور ان کے مذہبی جوش و جذبے کو تسکین پہنچانے کے لیے بہرحال کچھ اقدامات تو کرنے ہی ہیں۔

(۸) ۱۹۹۷ء میں ایک اور موقع آیا جس سے میرے دل میں امید کے چراغ ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ روشن ہوئے۔ یہ وہ موقع تھا جب عام انتخابات میں مسلم لیگ کو نواز شریف کی زیر قیادت بہت غیر معمولی مینڈیٹ ملا تھا۔ ایسا مینڈیٹ مسلم لیگ کو انڈیا میں ۱۹۴۶ء کے عام انتخابات میں ملا تھا' بلکہ ۱۹۹۷ء کا یہ مینڈیٹ اس سے بھی بڑا تھا۔ میاں محمد شریف صاحب مرحوم کا گھرانہ مجموعی طور پر ایک مذہبی گھرانہ ہے' چنانچہ اس گھرانے کے مذہبی تعلق کی بنیاد پر میں نے میاں شریف صاحب کو ایک خط لکھ دیا کہ آپ کے خاندان کو جو یہ مقام ملا ہے یہ آپ کے لیے موقع ہے کہ اس ملک کے اندر اسلام نافذ کریں۔ مجھے قطعاً کوئی توقع نہیں تھی کہ اس خط کے نتیجے میں وہ خود چل کر میرے پاس آ جائیں گے۔ میں نے اپنے خط میں ایک جملہ لکھا تھا کہ ''میرے نزدیک دولت مند لوگوں کے گھروں کے دروازوں پر دین کے خادموں کا حاضری دینا مناسب نہیں ہے''۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ جملہ میاں شریف صاحب کے دل کو جا کر لگا۔ چنانچہ شام کو فون آ گیا کہ ہم چاروں آ رہے ہیں۔ میاں نواز شریف' وزیراعظم پاکستان' میاں شہباز شریف' وزیراعلیٰ پنجاب اور میاں عباس شریف' تینوں بیٹے اپنے والد صاحب کے ساتھ میرے پاس آئے اور بڑی تفصیل سے باتیں ہوئیں۔

اُن دنوں سود کا معاملہ یہ صورت اختیار کر چکا تھا کہ فیڈرل شریعت کورٹ کی طرف سے بینک انٹرسٹ کو ربا قرار دیا جا چکا تھا اور اس کے بعد سپریم کورٹ کے شریعت ایپلیٹ بنچ نے بھی اس کی توثیق کر دی تھی۔ اب تو اس پر عمل درآمد باقی تھا۔ میں نے ان سے کہا کہ اب اس فیصلے پر عمل کیجیے! اس کے لیے دستور میں جہاں ضرورت ہے ترمیم کیجیے۔ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ دستور کے اندر کہاں کہاں ترامیم ہونی چاہئیں۔ اس لیے کہ اس ملک کا دستور منافقت کا پلندہ بن چکا ہے۔ مجھ سے شہباز شریف نے پوچھا کہ

آپ کے خیال میں ملک سے سود کا خاتمہ کتنے عرصے میں ہو جانا چاہیے؟ میں نے کہا ایک سال میں۔ شہباز شریف نے کہا کہ ہمیں اس کے لیے تین سال درکار ہوں گے۔ اس پر میاں شریف صاحب نے اپنے بیٹوں کو حکماً کہا: ''چھ ماہ کے اندر سود کا خاتمہ کر دو''۔ ان کے یہ الفاظ آن دی ریکارڈ بھی ہیں اور قضا و قدر کے کارکنوں کے ہاں بھی محفوظ ہیں۔ یہ حضرات مجھ سے بڑے پختہ وعدے کر کے گئے۔

اس کے بعد کچھ وقت اور گزر گیا لیکن کوئی پیش رفت نہ ہوئی۔ پھر میاں شریف صاحب کو ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ علاج کے لیے انگلینڈ چلے گئے۔ واپس آئے تو میں نے اخبارات میں چھوٹا سا اشتہار اشائع کرایا جس میں انہیں مبارک باد دی کہ آپ صحت یاب ہو کر آ گئے' لیکن شاید اللہ نے آپ کو یہ مہلت اس لیے دی ہے کہ آپ جو وعدہ کر کے گئے تھے اس کو پورا کروا دیں۔ اس پر چاروں باپ بیٹے پھر میرے پاس آئے اور پھر بڑے پختہ وعدے کیے۔ اس کے نتیجے میں میری امید کے چراغ پھر روشن ہوئے' لیکن افسوس کہ سود کے معاملے میں کوئی وعدہ پورا نہیں ہوا' بلکہ الٹا review petition داخل کر دی گئی۔ مولانا تقی عثمانی صاحب کو سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ سے نکال باہر کیا گیا اور نئے جج تعینات کر دیے گئے' جنہوں نے یہ فیصلہ دے دیا کہ فیڈرل شریعت کورٹ از سرنو اس معاملے کا جائزہ لے۔ اس کے بعد گویا یہ معاملہ پھر پہلی سٹیج پر آ گیا۔ دستور میں جو ترامیم میں نے تجویز کی تھیں ان کے لیے میں نواز شریف صاحب کے پاس اسلام آباد میں اپنا ترامیم والا مسودہ لے کر حاضر بھی ہوا تھا' لیکن یہ سب کچھ بے سود رہا۔

مایوسی کا نقطۂ عروج

یہ تمام داستان جو میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے اب اس کا نقطۂ عروج (climax) کیا ہے؟ ۱۹۹۹ء کے بعد سے ہمارے حالات مزید ابتر ہونا شروع ہوئے اور مایوسی کے اندھیارے گہرے سے گہرے تر ہوتے چلے گئے۔ پرویز مشرف نے آتے ہی اتاترک کا نام لیا اور ترکی کی بات کی جو اِس دنیا میں مسلمان ملکوں میں سب سے بڑا سیکولر ملک ہے۔ اس کے دستور کے اندر سیکولرازم کو اس قدر مضبوط پوزیشن حاصل ہے کہ

کوئی پارلیمنٹ سو فیصد کی اکثریت سے بھی اس میں ترمیم نہیں کر سکتی۔ یہ ہے اتاترک کا بنایا ہوا ترکی! سب سے پہلے پرویز مشرف نے اسے اپنا آئیڈیل قرار دیا اور کتوں کو گود میں لے کر تصویر بھی کھنچوائی' تاکہ امریکہ اور مغرب کو یہ پیغام پہنچ جائے کہ میں کوئی عملی مسلمان نہیں ہوں' کوئی بنیاد پرست نہیں ہوں' بلکہ آپ کا ساتھی ہوں اور آپ کی تہذیب میں رنگا ہوا ہوں۔ پھر پرویز مشرف نے روشن خیال اعتدال پسندی کا پرچار شروع کیا۔ یعنی اسلام کا نام ضرور لو' لیکن اپنے عمل سے اور اپنی تہذیب اور تمدن سے ثابت کرو کہ: ؎

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود!

اسی کا تمہیں کامل مرکب بن جانا چاہیے۔

اس کے ساتھ ہی دجالی فتنے کا آخری باب شروع ہوا اور عورتوں کی آزادی کی تحریک کے لیے قاہرہ میں ایک بہت بڑی انٹرنیشنل کانفرنس ہوئی۔ اس کے پانچ سال بعد ایسی ہی کانفرنس بیجنگ میں اور پھر بیجنگ پلس فائیو کانفرنس یو این او کے زیر اہتمام منعقد ہوئی۔ اس کا جو ایجنڈا منظور ہوا اس میں یہ طے کیا گیا کہ قحبہ گری (prostitution) کو کوئی جرم نہ سمجھا جائے' جس طرح کوئی مزدور اپنی جسمانی طاقت کو استعمال کر کے اجرت لیتا ہے اسی طرح ''سیکس ورکرز'' کو بھی حق حاصل ہے کہ وہ اپنے جسم کو استعمال کر کے اس کا معاوضہ وصول کریں۔ مزید یہ کہ ہم جنسیت (homosexuality) کو بھی ایک نارمل میلان سمجھنا چاہیے' یہ کوئی غیر فطری میلان نہیں ہے۔ اسی طرح یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ اگر عورت گھر میں کام کرے گی تو وہ شوہر سے مزدوری طلب کر سکتی ہے۔ نیز اگر عورت حمل کی مشقت برداشت کرے گی تو اس پر بھی وہ اپنے شوہر سے اجرت لے سکتی ہے۔ پھر یہ کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کی رضامندی کے بغیر اس سے جنسی تعلق قائم کرے گا تو وہ ''marital rape'' کے جرم کا مرتکب ہوگا۔ یعنی ازدواجی بندھن کے باوجود یہ زنا بالجبر قرار پائے گا۔ یہ ساری تدابیر اس لیے کی گئیں تاکہ عورت کو گھر سے باہر نکال کر' مرد کے شانہ بشانہ لا کر ایک پوری مخلوط معاشرت تیار کر کے خاندانی نظام کو برباد کر کے

عصمت وعفت کی تمام اقدار کا بیڑا غرق کر کے رکھ دیا جائے۔

یہی وہ ایجنڈا ہے جس کو پرویز مشرف نے اس ملک میں جس شدت کے ساتھ شروع کیا ہے اس کی پورے عالمِ اسلام تو کیا پوری دنیا میں بھی کہیں مثال نہیں ملتی۔ ایک بڑا قدم یہ اٹھایا گیا ہے کہ تمام یونین کونسلوں میں، ضلع کونسلوں میں، تحصیل کونسلوں میں، صوبائی اسمبلیوں میں، قومی اسمبلی میں اور سینٹ میں ۳۳ فیصد سیٹیں عورتوں کے لیے مخصوص رہیں گی۔ حالانکہ پوری دنیا میں کہیں بھی ایسا نہیں ہے، حتیٰ کہ جہاں جمہوریت پیدا ہوئی اور پلی بڑھی، وہاں بھی ایسا نہیں ہے۔ بھارت کی مثال لے لیں جو جمہوریت کا معجزہ سمجھا جاتا ہے اور جہاں بہت کم تعلیمی شرح کے باوجود جمہوریت چل رہی ہے، وہاں بھی یہ صورتِ حال نہیں۔ البتہ عورتیں وہاں بھی عام انتخابات میں حصہ لیتی ہیں۔ جیسے ہمارے ہاں بے نظیر اور عابدہ حسین الیکشن لڑتی تھیں اور جیتتی تھیں، اسی طرح وہاں بھی اندرا گاندھی اور دوسری خواتین الیکشن لڑتی تھیں۔ وہاں یہ معاملہ نہیں کہ ۳۳ فیصد سیٹیں لازماً عورتوں کی ہوں۔ اس ضمن میں میرے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ ایم ایم اے، جو اسلام کے نام پر بنی، اس نے بھی اس پر کوئی احتجاج نہیں کیا۔ جیسے ایوب کے زمانے میں عائلی قوانین پر کوئی احتجاجی تحریک نہیں چلائی گئی اسی طرح اس فیصلے پر بھی کوئی احتجاج نہیں کیا گیا۔ انہیں خطرہ یہ تھا کہ اگر ہم نے کوئی احتجاجی تحریک چلا دی تو کہیں انتخابات مؤخر نہ ہو جائیں، کیونکہ الیکشن سے انہوں نے بہت سی امیدیں وابستہ کی ہوئی تھیں۔ چنانچہ دینی جماعتوں کی خواتین نے بھی بڑھ چڑھ کر ان انتخابات میں حصہ لیا۔ لیکن میرے نزدیک یہ بات دین کی حمیت کے خلاف تھی کہ اس معاملے کو یوں ہی چھوڑ دیا جائے۔

اس کے بعد حدود آرڈیننس میں بھی ترمیم کر دی گئی اور اب وہ ''حقوقِ نسواں آرڈیننس'' بن گیا، جس کا حاصل یہ ہے کہ عورت کو زنا کی سزا کا جو خوف ہو سکتا ہے جس کی وجہ سے وہ زنا سے بچ سکتی ہے، اس خوف کو ختم کر دیا گیا۔ اس قانون کی رو سے جب تک کسی مجسٹریٹ کے سامنے چار عینی گواہ پیش نہ کر دیے جائیں زنا کا مقدمہ قائم ہی نہیں ہو سکتا، حالانکہ شریعت اسلامی میں تو چار گواہ زنا کی حد جاری کرنے کے لیے ضروری

ہیں۔اس طرح گویا ناجائز جنسی تعلقات کے لیے میدان صاف کر دیا گیا۔اسی بات پر اسے بش کی شاباش موصول ہوئی کہ آپ نے بہت اچھا کام کیا ہے' اگرچہ ابھی کچھ اور اقدامات بھی آپ کو کرنا ہوں گے' کچھ اور کڑوے گھونٹ بھی بھرنا پڑیں گے۔

ابھی ترکی کا ذکر آیا تھا۔آپ جانتے ہیں کہ آج کل ترکی میں جو حکومت ہے اس میں کسی حد تک تھوڑی بہت اسلامیت موجود ہے۔اس حکومت نے خواتین کے سکارف اوڑھنے پر جو پابندی عائد تھی اس کو ختم کر دیا ہے اور اب وہاں لڑکیاں سکولوں اور کالجز میں اپنے سر کو ڈھانپ کر آ سکتی ہیں' جبکہ اس سے قبل وہاں اس پر سخت پابندی عائد تھی۔ حتیٰ کہ ایک رکن اسمبلی کی سیٹ کو محض سکارف اوڑھنے کی پاداش میں ختم کر دیا گیا تھا حالانکہ وہ عوام کی نمائندہ خاتون تھی اور الیکشن جیت کر آئی تھی۔اسی ترک حکومت نے پارلیمنٹ میں ایک بل پیش کرنا چاہا کہ زنا کو قابل سزا جرم قرار دیا جائے۔اس سے پہلے ابھی تک ترکی میں ایسا نہیں ہے' بلکہ چند ایک اسلامی ممالک کے سوا پوری دنیا میں کہیں نہیں ہے۔زنا بالجبر تو جرم ہے لیکن زنا بالرضا جرم نہیں ہے۔اگر مرضی سے دو بالغ افراد آپس میں جنسی تعلق قائم کریں تو قانون کو کوئی اعتراض نہیں۔ترک حکومت زنا کو قابل سزا جرم قرار دینے کا بل پارلیمنٹ میں پیش کرنا چاہتی تھی' لیکن اس پر پورے یورپ میں شور مچ گیا کہ ترکی یہ کیا کر رہا ہے؟ ایک طرف تو یہ چاہتا ہے کہ اسے یورپی یونین میں شامل کیا جائے' اس کے لیے بار بار کوشش کر رہا ہے اور دوسری طرف ایسا دقیانوسی بل پاس کر رہا ہے! نتیجہ یہ نکلا کہ نام نہاد اسلامی پارٹی نے وہ بل واپس لے لیا۔بش کی خواہش ہے کہ پاکستان میں بھی ایسی قانون سازی ہو کہ زنا سرے سے کوئی جرم ہی نہ ٹھہرے' اگر وہ بالغ افراد کے مابین ہو اور باہمی رضامندی سے ہو۔

سود و زیاں کا حاصل

یہ تمام باتیں گوش گزار کرنے کے بعد اب میں اس کا حاصل آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں:

(۱) پاکستان ایک نظریاتی مملکت کی حیثیت سے وجود میں آیا تھا' یہ کسی نسلی' لسانی'

یا جغرافیائی بنیاد پر وجود میں نہیں آیا تھا۔ ہم نے علاقائی وطنیت کی نفی کرتے ہوئے یہ ملک بنایا تھا۔ کانگریس سے ہمارا جھگڑا یہی تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہندوستان ایک وطن ہے' اس وطن میں رہنے والے سب ایک قوم ہیں۔ ہم نے کہا نہیں' ہماری قومیت کی بنیاد اسلام پر ہے! چنانچہ پاکستان نظریاتی بنیاد پر وجود میں آیا۔ تب سے لے کر آج تک ہجری تاریخ کے اعتبار سے ساڑھے باسٹھ سال گزر گئے ہیں' لیکن ہم نے اس نظریے کی طرف کوئی پیش رفت نہیں کی' یہاں اسلام کی تنفیذ کا کوئی عمل نہیں ہوا۔ نہ تو شریعت کے احکام نافذ ہوئے اور نہ ہی اسلام کا نظامِ عدلِ اجتماعی قائم ہوا کہ جس میں دولت صرف دولت مندوں کے درمیان گردش میں نہ رہے بلکہ اس کے ثمرات عوام کو پہنچیں اور دولت کی منصفانہ تقسیم ہو۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿کَیۡلَا یَکُوۡنَ دُوۡلَۃًۢ بَیۡنَ الۡاَغۡنِیَآءِ مِنۡکُمۡ﴾ (الحشر: ۷) وہ نظام تو کہیں نظر نہیں آتا۔ یہاں تو ہر طرف جاگیردارانہ نظام ہے جس میں ہاری خون پسینہ ایک کر رہا ہے اور جاگیردار عیش کر رہا ہے۔ سرمایہ دار وہ لوگ ہیں جنہوں نے انگریز کی مدد کی تھی' انگریز کی حکومت کو جمایا تھا' ان لوگوں کو انگریز نے جاگیریں دی تھیں' اور آج ان کی اولادیں ملک کی مالک بن کر بیٹھی ہوئی ہیں۔

اس معنی میں اب میں کہہ رہا ہوں کہ پاکستان اپنی وجہ جواز کھو بیٹھا ہے (Pakistan has lost its rationale) پاکستان کیوں بنا؟ اس کا کیا جواز ہے؟ کیا ہندوستان میں نماز روزے پر پابندی ہے؟ جتنی مذہبی آزادی یہاں ہے وہ تو بھارت میں بھی ہے' مسجدیں وہاں بھی ہیں' نمازیں وہاں بھی پڑھی جاتی ہیں۔ حج کی فلائٹس وہاں سے بھی جاتی ہیں۔ ان کے ہاں بھی حج کا پورا محکمہ ہے' سعودی عرب میں ان کا حج مشن موجود ہے' جو ہمارے مشن سے زیادہ فعال ہے۔ یہ مقصد تو نہیں تھا جس کے لیے ہم نے پاکستان بنایا' جس کے لیے لاکھوں جانیں دی گئیں' خون کی ندیاں بہہ گئیں' پوری پوری بستیوں میں قتل عام ہوا' کروڑوں انسان اِدھر سے اُدھر اور اُدھر سے اِدھر ہجرت کر گئے۔ آپ لوگوں کو تو شاید اندازہ نہ ہو' جبکہ میری عمر اُس وقت پندرہ برس تھی' مجھے تو سب کچھ یاد ہے کہ کس طرح ایک کروڑ آدمی ہجرت کر کے پاکستان آئے۔

مشرقی پنجاب سے سارے مسلمان نکال دیے گئے۔ تاریخ انسانی کے اندر آبادی کی اتنی بڑی نقل مکانی کبھی نہیں ہوئی۔ یہ سب کس لیے تھا؟ اسلام کے لیے!—— لیکن وہ اسلام تو یہاں نظر نہیں آتا۔ اگر ایک وجود اپنے مقصد کو کھو دے تو وہ باقی نہیں رہ سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی اور اسے اپنے مقصد کے لیے استعمال کر لے، جس طرح امریکہ ہمیں استعمال کرتا رہا اور ہماری پشت پناہی کرتا رہا۔ اس نے جب ہمیں روس کے خلاف استعمال کیا تو ہمیں کچھ مدد بھی دیتا رہا۔ کچھ جہاز دے دیے، کچھ ٹینکس دے دیے، کچھ گھی کے ڈبے بھیج دیے، کچھ گندم بھیج دی، اس لیے کہ ہم اس کے مقاصد کو پورا کر رہے تھے۔ لیکن واقعتاً خود اپنی بنیاد پر اور اپنے نظریے کے تحت تو ہمارا کوئی وجود ہے ہی نہیں۔ چنانچہ یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ پاکستان اپنی وجہ جواز (raison d'etre) کھو چکا ہے۔

(۲) اسلام کا معاملہ تو خیر بہت دور کا ہے، فی الوقت تو یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہم بحیثیت مجموعی ایک بالغ قوم نہیں ہیں، ہم اپنی سیاست خود نہیں چلا سکتے۔ ہمارے ہاں اکثر و بیشتر فوج کی حکومت ہوتی ہے اور ہم نے آدھے سے زیادہ وقت مارشل لاء کے تحت گزارا ہے۔ گویا ہم اپنے معاملات کو سنبھالنے کے خود اہل نہیں ہیں۔ ہمارے ہاں آج بھی دورِ ملوکیت کا جاگیردارانہ نظام موجود ہے، جبکہ ہمارے ساتھ ہی آزاد ہونے والے ملک بھارت نے پہلے دن سے یہ جاگیرداری نظام ختم کر دیا تھا۔ اس لیے ان کی سیاست عوامی سطح پر چل رہی ہے اور ہماری سیاست ایک میوزیکل چیئر گیم ہے جس کا سارا چکر جاگیرداروں کے درمیان گھومتا ہے۔ باپ بوڑھا ہو گیا تو بیٹا آ گیا اور اس کے بعد پوتا آ جائے گا، اسی طرح بھائی اور بھتیجا آ جائے گا۔ ہمارے ہاں پارلیمنٹ کی اکثریت انہی لوگوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ پھر یہی لوگ ہیں جن کی اولادیں انگلینڈ اور امریکہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرتی ہیں، لہٰذا بڑے سول آفیسرز یہی ہیں۔ ہمارے ہاں جب انتخابات وغیرہ کا معاملہ آتا ہے تو یہ لوگ اپنے سرمائے اور وسائل کے بل بوتے پر ووٹ حاصل کر کے ایوانوں میں پہنچ جاتے ہیں اور ملک کے وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف ہم ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد سے امریکہ کے کرائے کے فوجی (merceneries) بن کر رہ گئے ہیں۔ چنانچہ ہم نہ صرف یہ کہ ایک

اسلامی ملک کی حیثیت سے ناکام ہو چکے ہیں بلکہ ہم ایک آزاد اور خود مختار ملک کی حیثیت سے باقی رہنے کے لیے بھی اپنا کوئی حق دنیا کے سامنے ثابت نہیں کر سکتے۔

(۳) خارجی اسباب پر نظر ڈالیں تو پورا عالمِ یہودیت وعیسائیت (Judeo-Christian World) پاکستان کو ختم کرنے پر تلا ہوا ہے۔ اگر ہم دنیا کے اخبارات، ریڈیوز، ٹیلی ویژن پروگرامز اور عالمی تجزیہ نگاروں کے مضامین کا مشاہدہ کریں تو معلوم ہوگا کہ صرف پاکستان ہی وہ ملک ہے جو یہودیوں کی آنکھوں میں کانٹا بن کر کھٹکتا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں عربوں اور اسرائیل کے درمیان چھ روزہ جنگ میں اسرائیل نے مصر، شام اور اُردن کو سخت ہزیمت سے دوچار کیا تھا اور مصر سے پورا صحرائے سینا، شام سے جولان کی پہاڑیاں اور اردن سے مغربی کنارے کا پورا علاقہ (جو اِس وقت اصل اسرائیل بنا ہوا ہے) چھین لیا تھا۔ اس جنگ کے بعد یہودیوں نے پیرس میں اپنی فتح کا جشن منایا اور وہاں ایک بہت بڑا اجلاس کیا۔ بن گوریان جو اُس وقت کا وزیراعظم تھا، اس نے کہا کہ ہمیں کسی عرب ملک سے کوئی خطرہ نہیں، کوئی عرب ملک ہمارے مقابلے میں آنے کی ہمت نہیں کر سکتا، ہمیں خطرہ ہے تو صرف پاکستان سے ہے۔ حالانکہ اُس وقت ابھی پاکستان ایٹمی ملک نہیں تھا۔ پاکستان ایٹمی طاقت ۱۹۹۸ء میں بنا ہے، لیکن غیر ایٹمی پاکستان سے بھی وہ خائف تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہاں وہ امنگ موجود ہے جس نے کانگریس اور برطانوی حکومت کے گٹھ جوڑ کے علی الرغم پاکستان بنوا دیا تھا۔ رمزے میکڈونلڈ نے تیسری گول میز کانفرنس میں کہا تھا کہ ایک شاعر (یعنی علامہ اقبال) نے ہمارے متحدہ ہندوستان کے خواب کو چکنا چور کر دیا تھا۔ ظاہر ہے علامہ اقبال کے ۱۹۳۰ء کے خطبے کی وجہ سے پاکستان کا تصور سامنے آیا۔ مسلم لیگ کی تحریک پروان چڑھی، عوامی تحریک بنی اور پاکستان بن گیا۔ انہیں معلوم ہے کہ امت کے اس حصے کے اندر وہ دبی ہوئی چنگاریاں موجود ہیں جو ہمارے لیے خطرہ بن سکتی ہیں۔

چنانچہ موجودہ حالات میں بھی بھارت اور امریکہ دونوں کی کوشش ہے کہ پاکستان میں بدامنی پیدا ہو جائے، خانہ جنگی اور سول وار ہو جائے۔ یہ بات میں آج

(۲ مارچ ۲۰۰۸ء) کے اخبارات میں شائع ہونے والے نگران وزیر داخلہ جنرل حامد نواز کے بیان کی روشنی میں کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے کہا ہے کہ پاکستان میں بدامنی بھارت اور امریکہ بڑھا رہے ہیں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ افغانستان میں امن ہوتا جا رہا ہے اور پاکستان کے اندر خانہ جنگی اور بدامنی بڑھتی جا رہی ہے' خودکش حملے ہو رہے ہیں۔ امریکہ اور بھارت یہ سمجھ رہے تھے کہ پاکستان میں انتخابات کے موقع پر یقیناً بدامنی ہوگی اور ہمیں اندر گھس آنے کا موقع میسر آ جائے گا۔ اس کے لیے انہوں نے اپنے تئیں تیاری بھی کر لی تھی۔ امریکہ نے افغانستان میں نیٹو فورسز کو یہ کہہ کر الرٹ کیا تھا کہ قوی امکان ہے کہ پاکستان میں بدامنی پیدا ہو اور ہمیں اس کی سرحدوں کو پامال کر کے اندر داخل ہونا پڑے۔ ادھر بھارت نے اپنی افواج کو الرٹ کر دیا کہ ہوسکتا ہے ایک پڑوسی ملک کے اندر امن قائم کرنے کے لیے ہمیں دخل اندازی کرنی پڑے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے صحرا میں کوئی شخص بھوک اور پیاس سے دم توڑ رہا ہو تو گدھ آ کر اس کے آس پاس جمع ہو جاتے ہیں اور انتظار کرتے رہتے ہیں کہ کب اس کا دم نکلے اور ہم اس کی بوٹیاں نوچ لیں۔ اس ملک کے اعداء بھی ایسے ہی منتظر تھے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اِس موقع پر ایک بہت بڑا معجزہ ہوا کہ کوئی بدامنی نہیں ہوئی اور فی الحال ان کے عزائم خاک میں مل گئے۔

اُمید کی حالیہ کرنیں

اب میں وہ باتیں بتا رہا ہوں جن کی وجہ سے میری انتہائی مایوسی کی کیفیت میں فرق آیا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ کہ پچھلے سال سے جو وکلاء تحریک چل رہی ہے' میرے نزدیک وہ نہایت حیرت انگیز ہے۔ یہ پڑھے لکھے' تعلیم یافتہ' متوسط طبقوں سے تعلق رکھنے والے لوگ ہیں جن کے پیچھے کوئی سیاسی نعرہ نہیں تھا' کوئی سیاسی جماعت نہیں تھی۔ اگرچہ اب کچھ سیاسی چیزیں ان کے ساتھ گڈمڈ ہو رہی ہیں' لیکن جب یہ تحریک شروع ہوئی ہے تو ایسی کوئی بات نہیں تھی۔ جس طرح انہوں نے سختیاں جھیلی ہیں' ماریں کھائی ہیں' پولیس کی لاٹھیوں سے ان کے سر پھٹے ہیں' رات رات بھر جاگ کر چیف جسٹس کا انتظار کیا ہے جب انہوں نے اسلام آباد سے لاہور تک کا سفر ۲۶ گھنٹوں میں طے کیا' یہ

ساری چیزیں میرے لیے انتہائی غیر متوقع' انتہائی حیرت انگیز ہیں۔اس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہماری قوم ابھی مُردہ نہیں ہوئی۔اس سے پہلے میں اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ ہم نہ صرف نظریاتی طور پر ایک ناکام ریاست ہیں بلکہ ایک باوقار اور آزاد ملک کی حیثیت سے بھی ہمارے اندر یہ اہلیت نہیں ہے کہ اپنے آپ کو قائم رکھ سکیں۔اس کے لیے میں انگریزی زبان کا یہ محاورہ استعمال کیا کرتا تھا کہ: "Its no use flogging the dead horse." یعنی اگر گھوڑا مر گیا ہو تو آپ اسے کتنے ہی چابک مار لیں' وہ ہلے گا تو نہیں۔اسی طرح یہ قوم مر چکی ہے' آپ کچھ بھی کر لیں' یہ ٹس سے مس نہیں ہوگی۔مایوسی کے عالم میں یہ میرا شدید تبصرہ تھا۔اب میں اپنی یہ رائے واپس لے رہا ہوں۔وکلاء کی اس تحریک نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ یہ قوم مری نہیں ہے' بلکہ زندہ ہے۔ہمیں سوچنا چاہیے' شاید ہم اپنے پیغام کو پہنچانے میں کہیں کوتاہی کر گئے ہیں۔شاید ہم نے قوم تک' خاص طور پر اس کے پڑھے لکھے طبقے تک' بات اتنے بڑے پیمانے تک نہیں پہنچائی جتنی پہنچانی چاہیے تھی۔ورنہ قوم میں تو جان ہے۔لوگ اگر عدلیہ کی آزادی کے لیے یہ ساری سختیاں جھیل سکتے ہیں' تو اگر اسلام کا معاملہ ان کے سامنے آ جائے اور ان کا دل گواہی دے دے' تو کیوں نہیں میدان میں آئیں گے! تو ایک اس سے مجھے بڑی اُمید ہوئی ہے' اس میں کوئی شک نہیں۔!

کراچی سے ایک انگریزی رسالہ نکلتا ہے ''Critic''۔اسے بہت ذہین اور اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں نے مل جل کر نکالا ہے' بلاشبہ بہت اعلیٰ سطح کا رسالہ ہے۔اس کے اداریہ میں ایڈیٹر نے ایک بات لکھی ہے' بالکل وہی بات جو چار سال پہلے میرا تأثر تھا کہ پاکستان ختم ہو رہا ہے! اس کے الفاظ ہیں:

> *"It feels like writing an obituary. If words could weep, it would, but this is the Truth — Pakistan is dying. Lo! I can even hear the funeral bell tolling!"*
>
> ''ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ میں کسی کے انتقال کے بعد تعزیتی شذرہ لکھنے چلا ہوں۔اگر الفاظ رو سکتے تو میرے الفاظ میں آپ کو آنسو نظر آتے' لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ پاکستان مر رہا ہے۔میں تو جنازے کی گھنٹیوں کی آواز تک سن

رہا ہوں۔''

یہ ہے Critic کے ایڈیٹر کا تجزیہ! واقعہ یہ ہے کہ انتخابات سے پہلے اکثر تجزیہ نگار' کالم نگار اور دانشور حضرات ایک بے یقینی کی کیفیت کا تذکرہ کر رہے تھے کہ کچھ پتا نہیں کیا ہونے والا ہے! کوئی خیر کی بات نظر نہیں آ رہی تھی۔ صدر پرویز مشرف نے ایک کے بعد دوسرا' دوسرے کے بعد تیسرا' تیسرے کے بعد چوتھا' پے در پے ایسے قدم اٹھائے کہ اس کے بعد تو ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ بات حد سے گزرتی جا رہی ہے اور معاملہ شاید خاتمے پر آ گیا ہے۔ یہ صرف میرا ہی احساس نہیں تھا بلکہ واقعتاً ایسا تھا۔ لہٰذا اب جو یہ الیکشن بخیریت ہو گئے ہیں تو اس پر کس قدر حیرت اور مسرت کا اظہار ہو رہا ہے۔ اخبارات کے کالم نگاروں' تجزیہ نگاروں اور عام لوگوں نے بھی اطمینان کا سانس (sigh of relief) لیا ہے کہ جیسے کوئی بہت بڑا اندیشہ یا خطرہ ٹل گیا ہے۔ آج یہ کیفیت ہے!

امتحانی مہلت میں توسیع

یہ جو انتخابات کا معاملہ بخیریت ہو گیا ہے' بھارت اور امریکہ کے منصوبوں کے علی الرغم اور ان کی توقعات کے بالکل خلاف جو الیکشن ہو گئے ہیں' اس سے یہ نہیں ہوا کہ ہمارا معاملہ حل ہو گیا ہے۔ ابھی تو ایک اور امتحان ہے۔ درحقیقت امتحانی وقفے میں اللہ کی طرف سے توسیع ہو گئی ہے اور اللہ نے مزید مہلت دے دی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے کہ وہ امتحان لیتا ہے۔ حالات بتا رہے تھے کہ ہمارے امتحان کے لیے شاید وقت ختم ہو گیا تھا' لیکن نہیں' اللہ نے ابھی ہمیں ایک توسیع دے دی ہے اور یہ ہمارے لیے ایک موقع ہے۔ اسلامی تصورات میں انسانی زندگی کا عنوان ہی امتحان ہے:

﴿خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (المُلك:٢)

''یہ زندگی اور موت کا سلسلہ اللہ نے پیدا ہی اس لیے کیا ہے کہ تمہیں جانچے (پرکھے) کہ تم میں کون ہیں اچھے عمل کرنے والے۔''

اقبال کہتا ہے ؎

قلزمِ ہستی سے تو اُبھرا ہے مانند حباب اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

آپ کا جو امتحان ہو رہا ہے‘ اس کا نتیجہ قیامت کے روز نکلے گا کہ فیل ہوئے یا پاس۔ دنیا میں نتیجے نہیں نکلتے۔ یہ دارالامتحان ہے‘ دارالجزاء نہیں ہے۔ سزا اور جزا یہاں نہیں ہے۔ البتہ قومی اور اجتماعی سطح پر فیصلے یہاں ہوتے ہیں‘ قومی خطاؤں اور غلطیوں پر سزا دنیا میں مل جاتی ہے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

فطرت افراد سے اغماض بھی کر لیتی ہے　　نہیں کرتی کبھی ملت کے گناہوں کو معاف

افراد کا معاملہ قیامت کے دن تک موقوف (defer) ہو جائے گا۔ ﴿وَكُلُّهُمْ اٰتِيْهِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فَرْدًا﴾ (مریم) ’’قیامت کے دن ہر شخص انفرادی حیثیت میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوگا۔‘‘ لہٰذا یہ معاملہ تو وہاں ہوگا‘ لیکن دنیا میں جو اجتماعی کوتاہیاں ہوتی ہیں ان کی سزا یہیں مل جاتی ہے۔ میں یہ سمجھ بیٹھا تھا کہ اس سزا کا آخری وقت آ چکا ہے‘ اسی لیے میں نے یہ ساری تفصیل بیان کی۔ لیکن ان دو واقعات کے حوالے سے مَیں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ نہیں‘ ابھی اللہ نے ہمیں مہلت دی ہے۔ لیکن یہ حقیقت فراموش نہ کی جائے کہ یہ صورت حال اس آیت مبارکہ کے مصداق ہے: ﴿وَاِنْ اَدْرِيْ لَعَلَّهٗ فِتْنَةٌ لَّكُمْ وَمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ﴾ (الانبیاء) ’’اور میں نہیں کہہ سکتا‘ ہوسکتا ہے کہ یہ تمہارے لیے ایک (نئی) آزمائش اور ایک خاص وقت تک کے لیے زندگی کا سامان ہو!‘‘ یہ نہیں کہ اللہ نے ہماری آخری کامیابی کا کوئی اعلان کر دیا ہے۔ نہیں‘ ناکام تو ہم ہیں۔ ناکامی پاکستان کی پیشانی پر لکھی ہوئی ہے۔

دینی اور نظریاتی اعتبار سے ہماری ناکامی بالکل ظاہر و باہر ہے‘ لیکن ابھی اللہ نے اجتماعی سزا کے حوالے سے آخری فیصلہ مؤخر کیا ہے کہ ہمارا نام و نشان مٹ جائے۔ رینڈ کارپوریشن کی پیشین گوئی ہے کہ ۲۰۲۰ء میں پاکستان کے نام سے کوئی ملک دنیا میں نہیں ہوگا۔ سب صوبے تقسیم ہو چکے ہوں گے۔ آزاد بلوچستان ہوگا‘ پختونستان افغانستان کو دے دیا جائے گا‘ پنجاب سکھوں کے حوالے ہو جائے گا‘ سندھودیش ایک علیحدہ ملک بن جائے گا‘ کراچی کو سنگاپور اور ہانگ کانگ کی طرح ایک چھوٹی سی شہری ریاست بنا دیا جائے گا۔ تاہم اب جو مرحلہ ہے‘ وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک تازہ مہلت

عمر(fresh lease of existance) دی ہے۔ ہمارے امتحانی وقفے کے اندر توسیع کی ہے۔ اگر ہم نے اس کا بھرپور فائدہ نہ اٹھایا تو پھر ''عذابِ اکبر'' کی وہ تلوار تو ہماری گردنوں کے اوپر لٹکی ہوئی ہے۔ اس مہلت کے حوالے سے ہمیں یہ سمجھنا چاہیے کہ ؎

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

موجودہ امتحان میں کامیابی کے تقاضے

اب میں یہ عرض کروں گا کہ ہماری امتحانی مہلت میں جو توسیع ہوئی ہے اس سے فائدہ اٹھانے کے کیا تقاضے ہیں۔ اس سلسلے میں دو بڑے تقاضے آپ کے سامنے رکھوں گا۔

(۱) اسلامی انقلاب کی تیاری

یہ اس مہلت عمل کا سب سے پہلا تقاضا ہے جو تنظیم اسلامی اپنی تمام تر قوت، صلاحیت، وسائل اور ذرائع کے ساتھ پیش کر رہی ہے۔ یہاں انقلاب آئے گا تو منہاج النبوۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر عمل کرنے سے آئے گا۔ یعنی جو طریقۂ کار اللہ کے رسولؐ کے اُسوہ، سنت اور سیرت سے ملتا ہے اس پر عمل کرنے سے ہی انقلاب آئے گا۔ اس کے لیے دو مراحل ہیں۔

پہلا مرحلہ جو کہ مشکل مرحلہ ہے، وہ ایک ایسی جماعت تیار کرنا ہے جس میں یہ پانچ اوصاف موجود ہوں: (i) اس کے ارکان کے دلوں میں ایمانِ حقیقی کا چراغ روشن ہو، ان کے دل نورِ ایمان سے منور ہوں۔ یہ نور قرآن سے حاصل کیا جائے۔ قرآن کا نور ہمارے دلوں میں اترے اور ہمارے قلوب جگمگا اٹھیں۔ (ii) شریعت کے احکام پر جتنا بھی عمل ممکن ہے، لازماً کریں۔ میں سودی نظام ختم تو نہیں کر سکتا لیکن یہ تو کر سکتا ہوں کہ خود اس سود سے وابستہ نہ ہوں، اس میں ملوث نہ ہوں۔ براہِ راست تو مکمل طور پر دور رہوں جبکہ بالواسطہ بھی حتی الامکان اپنے آپ کو بچاؤں۔ یہ تو کر سکتا ہوں۔ اگر میں یہ کوشش بھی نہیں کرتا تو اس کا مطلب ہے کہ میں مجرم ہوں۔ اسی طرح یہاں ابھی تک کوئی

اتاترک کی طرح پردے کو ختم نہیں کر سکا' برقع حرام نہیں کر سکا' مغربی لباس لازم نہیں کر سکا۔ اب اگر ہم خود یہ سب کچھ کرتے ہیں تو پھر مجرم بھی ہم ہیں۔ لہٰذا شریعت کے جن احکام پر عمل ہو سکتا ہو' چاہے کتنا ہی مشکل ہو' چاہے آپ اپنے ماحول میں اجنبی بن جائیں' چاہے آپ کو دقیانوسی کہا جائے' لیکن ان احکام پر آپ کو یقیناً عمل کرنا ہے۔ البتہ جہاں ممکن نہیں ہے وہاں بات دوسری ہے۔ اس کا کفارہ یہ ہے کہ آپ اسلامی نظام کو قائم کرنے کی کوششوں میں شریک ہوں اور جدوجہد کریں۔ (iii) دلوں میں سوائے اللہ کی رضا کے کوئی اُمنگ' کوئی تمنا' کوئی آرزو نہ رہے۔ حکومت کی طلب نہ ہو' اقتدار کی طلب نہ ہو' دولت کی طلب نہ ہو' شہرت کی طلب نہ ہو۔ یہ میں اسلامی انقلاب برپا کرنے والی جماعت کے اوصاف بتا رہا ہوں۔ قرآن مجید میں حزب اللہ کے اوصاف سورۃ المجادلۃ اور سورۃ المائدۃ میں بیان ہوئے ہیں۔ (iv) یہ لوگ جماعتی نظم اور ڈسپلن کے خوگر ہوں۔ سمع وطاعت ان کا شعار ہو۔ اس حوالے سے میری بہت تقریریں ہو چکی ہیں اور میں کافی مرتبہ وضاحت کے ساتھ یہ حدیث مبارکہ بیان کر چکا ہوں: ((اَنَا آمُرُکُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰہُ اَمَرَنِیْ بِھِنَّ: بِالْجَمَاعَۃِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ وَالْھِجْرَۃِ وَالْجِھَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ))(۱) (v) اقامت دین کی جدوجہد میں تن' من' دھن حتیٰ کہ وقت آئے تو جان دینے کی خواہش ہو۔ یہ اُسوۂ رسول ہے۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے:

((لَوَدِدْتُ اَنِّیْ اُقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ' ثُمَّ اُحْیَا' ثُمَّ اُقْتَلُ))(۲)

''میری بڑی خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں' پھر قتل ہو جاؤں' پھر زندہ کیا جاؤں اور پھر قتل کیا جاؤں۔''

تو جس کے دل میں یہ آرزو نہیں ہے معلوم ہوا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے اُسوہ پر نہیں ہے' حضور ﷺ سے اس کا معنوی تعلق نہیں ہے' آپ ﷺ کی یہ خواہش شدید ترین تھی۔

(۱) رواہ احمد والترمذی۔

(۲) صحیح البخاری' کتاب التمنی و کتاب الجھاد۔ وصحیح مسلم' کتاب الامارۃ۔

یہ پانچ اوصاف رکھنے والے لوگوں پر مشتمل ایک جماعت بنانا ہی بڑا کام ہے۔ یہی مشکل ہے۔ ایسی جماعت کی تیاری کے لیے محمدؐ رسول اللہ ﷺ نے بارہ سال لیے تھے۔ اس دوران کوئی قتال' کوئی جنگ' کوئی تصادم نہیں ہوا۔ ایسی حزب اللہ کی تیاری پہلا کام ہے۔

دوسرے یہ کہ جب ایسی حزب اللہ تیار ہوگی تو اس میں تعداد کا معاملہ بھی اہم ہے۔ وہ اتنے لوگوں پر مشتمل ہونی چاہیے کہ وقت کے نظام کے ساتھ ٹکر لے سکے۔ پاکستان سولہ کروڑ کا ملک ہے' یہاں ایسے لوگ لاکھوں میں تو ہونے چاہئیں۔ یہ نہیں کہ چند سو افراد کھڑے ہو جائیں' جیسے لال مسجد کے اندر مولوی عبدالعزیز صاحب اور غازی عبدالرشید صاحب نے کیا تھا۔ یہ طریقہ تو نہیں ہے۔ ان کی طاقت کتنی تھی؟ کس برتے پر وہ کھڑے ہو گئے تھے؟ بچے اور بچیاں تو کوئی طاقت نہیں ہوتے۔ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ پاکستان میں آپ کی کتنی بڑی جماعت' کتنی بڑی تنظیم ہے؟ یہی بات میں نے جا کر کہی تھی صوفی محمد صاحب سے' جو بہت عرصے سے سوات اور دیر کے علاقے میں تحریک چلا رہے ہیں۔ میں نے کہا تھا کہ آپ مالاکنڈ کو ایک ملک نہ سمجھئے' ملک تو پاکستان ہے۔ آپ یہاں تحریک چلائیں گے تو پاکستان کے ہوائی جہاز اور ہیلی کاپٹر یہاں بمباری کرنے کے لیے آئیں گے۔ آپ ملکی سطح پر تحریک چلائیں اور ایک منظّم جماعت بنائیں۔ میں نے پیشکش کی تھی کہ میں لاہور میں آپ کے جلسے کا اہتمام کرتا ہوں' آپ تشریف لائیے اور تقریر کیجیے۔ کہنے لگے نہیں' میں مالاکنڈ سے باہر نہیں جانا چاہتا۔ میں نے کہا کہ پھر یہ بات ہونے والی نہیں ہے۔ لہٰذا پاکستان جیسے ملک کے لیے کم سے کم لاکھوں لوگ تو ایسے چاہئیں جن میں وہ پانچ اوصاف پائے جائیں جن کا تذکرہ پہلے کیا گیا ہے۔

ایسی جماعت اگر تیار ہو جاتی ہے اور وہ مقدار جو میں کہہ رہا ہوں' مہیا ہو جاتی ہے تو پھر عوامی تحریک کے ذریعے سے چیلنج کریں گے۔ وہ ایشوز سامنے لائیں گے جو عوام کی سمجھ میں آئیں۔ یہ کہ یہاں عدلِ اجتماعی کا نظام آئے' جو ظلم ہو رہا ہے' غرباء کو پیسا جا رہا ہے' کسانوں اور ہاریوں کو ظلم کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے' غریب تو غریب تر ہوتا جا رہا ہے جبکہ امیر

کے پاس دولت کے انبار لگ رہے ہیں' اس سارے نظام کو توڑنے کے لیے تحریک کی ضرورت ہے۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے کہا تھا: **فکّ کلّ نظام** یعنی پورے سیاسی' معاشی' معاشرتی نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دو! پھر لوگوں کو آ کر مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس کے لیے علامہ اقبال کے دو فارسی اشعار میں نے بارہا سنائے ہیں۔ وہ کوئی عجیب روحانی کیفیت تھی جس میں انہوں نے وہ شعر کہے ہیں۔ پہلا شعر ملاحظہ کیجیے:

گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد' گفتند کہ برہم زن!

''اللہ نے مجھ سے پوچھا: اے اقبال! میں نے تمہیں اپنی دنیا میں بھیجا ہے' تمہیں پسند آئی؟'' گفتم کہ نمی سازد'' میں نے کہا: نہیں''۔ یہاں تو یہ حال ہے ع خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعل ناب! کہ سرمایہ دار مزدور کے خون سے کشید کر کے شراب پیتا ہے۔ از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب! اور زمینداروں اور جاگیرداروں کے ظلم وستم سے کسان کی کھیتی برباد ہوگئی ہے۔ (لہٰذا مجھے پسند نہیں ہے)۔ گفتند کہ برہم زن!'' تو اللہ نے کہا اچھا توڑ دو اِس کو''۔ وہی بات جو میں نے شاہ ولی اللہ کے حوالے سے کہی کہ **فکّ کل نظام** کہ پورے نظام کو توڑ پھوڑ کر رکھ دو۔ اب دوسرا شعر دیکھئے:

با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

یہ دو مصرعے ہیں جن میں اقبال نے انقلاب کا پورا فلسفہ بیان کر دیا ہے۔ با نشۂ درویشی درساز و دمادم زن! پہلے درویشی اختیار کرنی پڑے گی۔ پہلے دل میں نورِ ایمان لانا ہوگا۔ شریعت کی روشنی اپنی ذات اور اپنے گھر میں نافذ کرنی ہوگی۔ دل کو کسی بھی آرزو سے خالی کرنا ہوگا سوائے اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کے۔ نظم وضبط کا پابند ہونا ہوگا اور تن من دھن خرچ کرنے کے لیے آمادہ ہی نہیں بے قرار ہونا ہوگا۔ چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن! اور جب تیار ہو جاؤ' پختہ ہو جاؤ' تو اپنے آپ کو سلطنت جمشید کے ساتھ ٹکرا دو۔ مٹی کو اگر گولہ بنا کر آگ میں تپا لیا جائے تو وہ پتھر کی طرح پختہ ہو جاتی ہے' جسے

شیشے پر ماریں تو وہ چکنا چور ہو جاتا ہے۔ اگر پاکستان میں دو تین لاکھ آدمی بھی ایسے تیار ہو جائیں تو یہاں انقلاب آ سکتا ہے۔

آج آپ کو یہ سب کچھ ہونا معجزہ لگے گا' لیکن یہ معجزہ رونما ہو سکتا ہے' جیسا کہ ابھی معجزہ رونما ہوا ہے۔ یہ جو پوری دنیا کی توقع کے خلاف' ہمارے اپنے اندیشوں کے برخلاف انتخابات ہو گئے ہیں' یہ کیا ہوا؟ اللہ نے کس طریقے سے عین وقت پر پرویز مشرف کا دل موڑا ہے کہ اس نے کسی بڑے پیمانے پر کھلم کھلا دھاندلی نہیں کی! حدیث میں آتا ہے کہ تمام انسانوں کے دل اللہ کی دو انگلیوں کے مابین ہیں' وہ جدھر چاہتا ہے پھیر دیتا ہے۔ تو یہاں ایسی ہی بات ہوئی ہے۔ اگر بڑے پیمانے پر دھاندلی ہوتی تو تحریک چلتی' اور تحریک چلتی تو فساد ہوتا۔ اگر فساد ہوتا تو ایک طرف سے نیٹو کی فوجیں آ جاتیں اور دوسری طرف سے بھارت کی فوجیں۔ اس موقع پر یہ ملک بچا ہے تو ایک معجزے سے بچا ہے۔ دوبارہ بھی معجزہ ہو سکتا ہے۔ اس کے لیے تیاری کی جائے' اپنی مشعلوں کو تیز کیا جائے' ماحول کے اندر روشنی پھیلائی جائے۔

(۲) چند ثانوی کام

ہمارا اصل کام تو سیرت النبی ﷺ کے طریقے پر انقلاب کا عمل پورا کرنے کے لیے حزب اللہ کو تیار کرنا ہے۔ لیکن چونکہ ہم ایک مسلمان ملک میں رہتے ہیں' یہاں ہم بھی مسلمان ہیں' باقی سب لوگ بھی مسلمان ہیں' اس لیے رسول اللہ ﷺ کے فرمان ((اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ)) پر عمل کرتے ہوئے ہمیں کچھ اور چیزیں بھی لوگوں کو بتانی ہیں۔ سب سے پہلا کام جو کرنے کا ہے' وہ میں بیان کر چکا ہوں۔ اب میں چند ثانوی کام بتا رہا ہوں۔

i) باشعور طبقے کی ذہن سازی: اس ملک میں جو باشعور' پڑھا لکھا طبقہ ہے اسے یہ باور کرایا جائے کہ محض عدلیہ آزاد کرانے اور یہاں جمہوریت قائم کرنے سے یہ ملک مستحکم نہیں ہو سکتا' اس لیے کہ پاکستان عام ملکوں کی مانند نہیں ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی!

یہ ملک خالص اسلام کے نام پر وجود میں آیا۔ دنیا میں کوئی اور ملک ایسا نہیں ہے جو اسلام

کے نام پر وجود میں آیا ہو۔ یہاں اگر اسلام قائم نہیں ہوا تو یہ مستحکم نہیں ہوسکتا۔

ہم وکلاء کی قربانیوں کی تعریف کرتے ہیں۔ اسی طرح اب ہمارے سیاست دان جمہوری اصولوں کو اختیار کر رہے ہیں اور دوستی کی فضا نظر آ رہی ہے۔ زرداری صاحب اور میاں نواز شریف کے درمیان دوستی کی پینگ بڑھ رہی ہے۔ آگے کیا ہوگا' یہ میں نہیں کہہ سکتا۔ یہ دوستی کی فضا کب تک رہے گی' مجھے نہیں معلوم۔ تاہم موجودہ مفاہمتی فضا سے بھی آپ امید نہ رکھیے کہ پاکستان مضبوط اور مستحکم ہو جائے گا۔ اس کے لیے یہاں اسلام نافذ کرنا ضروری ہے۔ پاکستانیوں کو ایک قوم بنانے والی چیز کون سی ہے؟ ہمارے ہاں کوئی نسلی عصبیت نہیں ہے جو ہمیں جوڑ سکے' کوئی لسانی عصبیت نہیں ہے جو ہمیں اکٹھا کر سکے۔ وطنی قومیت کی تو نفی کر کے ہم نے پاکستان بنایا' چنانچہ علاقائی عصبیت کا یہاں امکان ہی نہیں ہے۔ پاکستانزم اور پاکستانی قومیت کا نہ آج تک وجود ہوا ہے اور نہ کبھی ہوگا۔ یہ تو صرف پاسپورٹ میں قومیت کے خانے میں ''پاکستانی'' لکھ دیا جاتا ہے۔

اصل میں پاکستان مسلم عصبیت (Muslim nationhood) کی بنیاد پر وجود میں آیا تھا۔ اس کے استحکام کے لیے اسلام کو یہاں قانوناً نافذ کرنا ہوگا۔ یہ عمل قراردادِ مقاصد سے شروع ہوا تھا' جس کے تحت کچھ سطحی قسم کی' کچھ بندھی بندھائی' محدود اثر رکھنے والی دفعات دستور میں آ گئی ہیں۔ اس سفر کو آگے بڑھایا جائے۔ ہمارے دستور میں جو اسلامی دفعات ہیں ان کو مؤثر بنایا جائے۔ اس کے لیے:

(۱) سب سے پہلے قراردادِ مقاصد کے ساتھ ایک جملہ بڑھا دیا جائے:

"It will take precedence over the whole of the constitution."

کہ یہ قرارداد پورے دستور پر حاوی ہوگی۔ دفعہ ۲۲۷ موجود ہے کہ:

"No Legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah."

لیکن اسے اسلامی نظریاتی کونسل سے باندھ دیا گیا ہے۔ وہ بے چارے رپورٹیں پیش کرتے رہے ہیں' کرتے رہیں گے۔ انہوں نے بڑی محنت کی ہے۔ ان رپورٹوں سے

وزارتِ قانون، وزارتِ داخلہ اور وزارتِ مالیات کی الماریاں بھر گئی ہیں، اربوں روپے کا خرچ ہوا ہے، لیکن ان کی کوئی رپورٹ پارلیمنٹ کے اندر پیش نہیں ہوئی۔

(۲) اسلامی نظریاتی کونسل کے لیے راستہ کھول دیا جائے اور اس کی سفارشات پارلیمنٹ میں پیش کی جائیں۔

(۳) فیڈرل شریعت کورٹ میں مجتہدانہ بصیرت رکھنے والے علماء کو جج بنایا جائے۔

(۴) ان کا سٹیٹس کم سے کم ہائیکورٹ کے ججز کے برابر ہو۔

(۵) فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار کے اوپر جو تحدیدات ہیں، جیسے یہ عائلی قوانین کو زیر بحث نہیں لا سکتے، انہیں ہٹا دیا جائے تاکہ تدریجی طور پر ایک ایک قانون زیر بحث آئے اور بتایا جائے کہ اس کے اندر فلاں شق غیر اسلامی ہے۔ اس کے لیے کورٹ فیصلہ دے اور پھر قانون سازی ہو، چاہے وہ صوبائی سطح پر ہو یا وفاقی سطح پر۔

دراصل ہمارے پڑھے لکھے لوگ نفاذِ شریعت کے حوالے سے عجیب قسم کے تحفظات کا شکار ہیں۔ وہ سوال کرتے ہیں کہ کیا کئی سو سال پہلے مرتب کردہ فقہ جوں کی توں نافذ کر دی جائے گی؟ کیونکہ ہمارے علماء کا ایک طبقہ یہی خیال رکھتا ہے۔ پھر یہ کہ کون سی فقہ نافذ ہوگی: حنفی، مالکی یا شافعی؟ پھر یہ کہ شیعوں کا کیا ہوگا؟ اہل حدیث فقہ کو کیسے قبول کریں گے؟ وغیرہ وغیرہ۔ ان مسائل کا حل یہ ہے کہ پرسنل لاء میں سب کو آزادی ہونی چاہیے۔ حنفی حنفی طریقے پر، شافعی شافعی طریقے پر، جعفری جعفری طریقے پر اور اہل حدیث سلفی طریقے پر عمل کریں۔ پرسنل لاء میں عبادات اور عائلی قوانین آ گئے۔ باقی قوانین میں کسی ایک فقہ کو نہ لیا جائے، ساری فقہیں ہماری مشترکہ میراث ہیں، یہ ہمارا علمی اثاثہ ہے، تمام ائمہ کرام ہمارے بزرگ ہیں۔ ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے نئی قانون سازی ہو۔ یہ راستہ سامنے آ جائے اور ہمارے ملک کا قانون دان طبقہ اس کو سمجھ لے تو اِن شاء اللہ تعالیٰ وہ اس کو بھی اپنی جدوجہد میں شامل کر لیں گے۔ اس طرح میں سمجھتا ہوں کہ ہماری منزل کے حصول میں کچھ نہ کچھ آسانی پیدا ہو جائے گی۔

ii) جاگیرداری کا خاتمہ: دوسری اہم چیز جاگیرداری اور غیر حاضر زمینداری کا خاتمہ

ہے۔اس ملک میں سب سے بڑا ظلم اس اعتبار سے ہو رہا ہے' اور مذہبی طبقات اس پر کوئی بات نہیں کرتے' بلکہ عام تأثر یہ ہے کہ علماء اور مولوی حضرات جاگیرداری نظام کے پشت پناہ ہیں۔ایسی صورت میں عوام آپ کی بات کس حوالے سے سنیں! کس وجہ سے' کس بنیاد پر ان کے کان آپ کی طرف متوجہ ہوں جب آپ ان کے دکھوں کی بات نہیں کرتے! آپ ان پر ہونے والے ظلم کا کہیں ذکر تک نہیں کرتے۔ جاگیردار بیٹھا رہے گا اور کاشت کار اسی طرح اپنے خون پسینے کی کمائی کو اس کے اوپر لٹتے ہوئے دیکھے گا۔ یہ معاملہ بڑا نازک ہے۔ میں بہت عرصے سے یہ باتیں کہہ رہا ہوں لیکن ہمارے ملک میں پریس نے بھی اس پر کوئی توجہ نہیں دی۔

زمین داری کا مسئلہ حل کرنے کے لیے ہمارے پاس دو راستے موجود ہیں۔ پہلا راستہ یہ کہ اگر پاکستان کی اراضی کو عشری (ملکیتی) مانا جائے تو مزارعت کے متعلق امام ابوحنیفہؒ' امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کا فتویٰ نافذ کیا جائے۔ان تینوں کے نزدیک مزارعت حرامِ مطلق ہے۔ ہاں اگر ہو سکتی ہے تو باغ کے تابع ہو سکتی ہے' کھلے کھیت کے اندر جائز نہیں۔ مزارعت کی حرمت کے بارے میں احادیث موجود ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کے چھ شاگردوں سے جو روایتیں آئی ہیں ان کے متن میں الفاظ کی کمی بیشی ہے' لیکن مشترک بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

((مَنْ كَانَتْ لَهُ اَرْضٌ فَلْيَزْرَعْهَا اَوْ لِيَمْنَحْهَا اَخَاهُ))(۱)

''جس کے پاس کوئی زمین ہو تو اس کو چاہیے کہ اس میں زراعت کرے یا پھر وہ اسے اپنے کسی بھائی کو دے دے''۔

وہ اس میں بٹائی کی بنیاد پر مزارعت نہیں کروا سکتا۔ جو زمین بھائی کو دے دی' اگر وہ اس کی کاشت کرے گا تو اسی کے لیے فصل ہو گی' کسی اور کے لیے نہیں۔ اس متن کی کم سے کم آٹھ حدیثیں موجود ہیں۔ میں خاص طور پر علماء سے درخواست کروں گا کہ خدا کے لیے اسے عام کریں۔ چند شرائط کے ساتھ مزارعت کے جواز کا فتویٰ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمد شیبانیؒ نے دیا تھا' جو کہ امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ نے

(۱) رواہ البخاری و مسلم و النسائی و ابن ماجہ و احمد و الدارمی و الحاکم۔

عباسیوں کی حکومت کے ساتھ تعاون نہیں کیا۔ انہوں نے چیف جسٹس بنانا چاہا' یہ نہیں مانے۔ جیل میں گئے' ماریں کھائیں۔ ان کے شاگرد قاضی ابو یوسفؒ نے یہ عہدہ قبول کر لیا اور تعاون کیا۔ میں ان کی نیت پر حملہ نہیں کر رہا۔ میرے نزدیک انہوں نے اُمت کی مصلحت کے لیے ایسا کیا کہ اب بادشاہت آ چکی ہے جس کا راستہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ نہیں روک سکے' حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نہیں روک سکے' حضرت نفس زکیہؒ نہیں روک سکے' حضرت زیدؒ نہیں روک سکے۔ بادشاہت تو اب ختم نہیں ہوگی اور اسی کے تحت جاگیرداری ہے' اس کو کون ختم کرے گا! لہٰذا اس کے لیے انہوں نے اجتہاد کیا اور مصالح مرسلہ کے حوالے سے کچھ شرطیں لگا کر مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا۔ لیکن اب غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس وقت معاشرے کے اندر جو ظلم ہو رہا ہے اور جس کی وجہ سے ہماری سیاست بھی بغیر کسی بنیاد کے' محض میوزیکل چیئر زگیم بنی ہوئی ہے' اس سارے معاملے کو حل کرنا ہے۔ اگر آپ عوام سے ان کے دکھوں کی بات نہیں کریں گے تو وہ آپ کو نہیں سنیں گے۔ اگر آپ انہیں صرف مولویانہ بات سنائیں گے کہ آؤ نماز پڑھو اور روزہ رکھو تو یہ کام تبلیغی جماعت بہت بڑے پیمانے پر کر رہی ہے۔ تاریخ کے اندر شاید ہی اتنے بڑے پیمانے پر ایسی نقل و حرکت ہو جو تبلیغی جماعت کے تحت ہو رہی ہے۔ میرے نزدیک دنیا میں اس کی کوئی دوسری مثال موجود نہیں۔ ڈھاکہ کے قریب ٹونگی کے مقام پر تیس لاکھ کا اجتماع ہوتا ہے۔ رائے ونڈ میں پندرہ پندرہ لاکھ کا اجتماع ہو جاتا ہے۔ یہ صرف عبادات کا معاملہ ہے۔ آپ انہیں پڑھائیں گے' وہ پڑھ لیں گے اور عمل بھی کر لیں گے۔ لیکن کسی انقلابی جدوجہد کے لیے وہ اُس وقت تک سامنے نہیں آئیں گے جب تک آپ ان کے مسائل اور مصیبتوں کا مداوا نہ کریں۔ چنانچہ اس کے لیے علماء کرام کو مزارعت کے خلاف مجتہدانہ بصیرت سے کام لینا چاہیے۔ جب تک یہ بات نمایاں نہیں کی جائے گی' کوئی اسلامی تحریک عوامی نہیں ہو سکتی۔

اس ضمن میں ایک دوسرا راستہ یہ ہے کہ پاکستان کی اراضی کو خراجی مانا جائے' عشری نہیں۔ اس بات کو ذرا سمجھ لیجیے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں

عراق، ایران اور شام فتح ہو گئے تو ایک مسئلہ پیدا ہوا کہ آیا ان مفتوح ممالک کی ساری زمینیں مالِ غنیمت ہیں! بعض صحابہؓ نے مطالبہ کیا کہ یہ ہمارے درمیان تقسیم کر دی جائیں۔ فوجی صحابہ کی تعداد چند ہزار تھی۔ اگر ان میں یہ سارے ملک تقسیم کر دیے جاتے تو تاریخ انسانی کی سب سے بڑی جاگیرداری اسلام کے نام سے شروع ہو جاتی۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے اجتہاد فرمایا۔ اسے اچھی طرح سے سمجھ لیجیے اور دوسرے لوگوں تک بھی یہ باتیں پہنچائیں۔ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کیا کہ یہ تمام زمینیں مالِ فے شمار ہوں گی، یہ مالِ غنیمت نہیں ہیں۔ مالِ غنیمت صرف وہ ہوگا جو عین محاذِ جنگ پر ملے گا۔ محاذِ جنگ پر جو مرد اور عورتیں قیدی ہو جائیں، صرف انہیں غلام اور کنیزیں بنانا جائز ہے۔ یہ نہیں کہ عراق فتح کر لیا تو اس کی پوری آبادی غلام اور وہاں کی ساری عورتیں لونڈیاں تصور ہوں گی۔ اسی طرح محاذِ جنگ سے جو اسلحہ اور جانور وغیرہ ملیں گے، وہ سارا مالِ غنیمت ہے جبکہ باقی اموالِ فے ہیں۔ اموالِ فے بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں، کسی فرد کی ملکیت نہیں۔ لہٰذا مفتوحہ علاقوں کی زمینوں کے اوپر ان کے اصل مالک ہی کام کریں گے، لیکن وہ بیت المال کو خراج دیں گے۔ یہ زمینیں خراجی کہلاتی ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اس فیصلے سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اختلاف کیا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے طرزِ عمل سے دلیل پیش کی کہ جب خیبر فتح ہوا تو حضور ﷺ نے وہاں کی ساری زمینیں تقسیم کر دی تھیں۔ حضرت عمرؓ کا استدلال سورۃ الحشر کی آیات (۷۔۱۰) سے تھا۔ یہ معاملہ ایسے طے نہیں ہو گیا تھا کہ حضرت عمرؓ نے فیصلہ کر دیا، اور بس۔ نہیں، باقاعدہ بحث مباحثہ اور اختلافِ رائے ہوا ہے۔ چنانچہ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ایک کمیٹی بنائی جس میں پانچ صحابہ اوس قبیلے کے اور پانچ خزرج کے شامل تھے۔ ان دس اصحاب کی کمیٹی کے سامنے آپؓ نے بھی اپنا موقف رکھا اور ان حضرات نے بھی جو یہ سمجھتے تھے کہ یہ سارا مالِ غنیمت ہے جسے تقسیم ہونا چاہیے۔ کمیٹی نے غور و خوض کے بعد حضرت عمرؓ کی رائے کے حق میں فیصلہ دیا۔ اس کے بعد سے اُمت کے اندر یہ ایک اجماعی معاملہ ہے کہ جو علاقہ مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو اس کی زمینیں خراجی ہیں، عشری نہیں۔ عشری زمین وہ

ہوگی جو کسی کی ملکیت ہو‘ اور زمین ملکیت اس کی ہوتی ہے جو خود ایمان لے آئے۔ مدینہ کے لوگ خود ایمان لائے تھے‘ حضورﷺ نے مدینہ کو فتح نہیں کیا تھا‘ اس لیے وہاں کی زمینیں عشری ہیں‘ یعنی وہ وہاں کے مالکوں کی ملکیت ہیں۔ وہ اس میں سے عشر دیں گے جیسے مسلمان زکوٰۃ دیتا ہے۔ غیر مسلم اس کی بجائے جزیہ دیتا ہے۔ لہٰذا عشری زمینوں سے عشر لیا جائے گا جبکہ خراجی زمینوں سے خراج لیا جائے گا۔ تقریباً پوری اُمت کا اس پر اجماع ہے۔

پچھلی صدی کے بہت بڑے محدث‘ فقیہہ‘ صوفی قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ جنہوں نے عربی زبان میں ’’تفسیر مظہری‘‘ لکھی ہے‘ ان کی ایک چھوٹی سی کتاب ’’مَا لَا بُدَّ مِنْهُ‘‘ کے نام سے ہے‘ یعنی وہ چیزیں جن کے بغیر چارۂ کار ہی نہیں ہے‘ وہ معلومات جو مسلمانوں کو لازماً ہونی چاہئیں۔ یوں سمجھئے کہ یہ فقہ کا پہلا قاعدہ ہے‘ جو آج بھی ہمارے تمام دینی اداروں میں پڑھایا جاتا ہے۔ اس میں انہوں نے لکھا ہے کہ ہندوستان میں ساری زمینیں خراجی ہیں‘ یہاں عشری زمین ہے ہی نہیں۔ لہٰذا میں عشر کے مسائل تحریر ہی نہیں کر رہا کہ اس سے خواہ مخواہ طالب علموں کے ذہنوں پر بوجھ پڑے گا‘ جبکہ ان احکام کا کہیں اطلاق ہوگا ہی نہیں۔

پاکستان بننے کے بعد حلقۂ دیوبند کے ایک بہت بڑے فقیہہ اور مفسر مولانا مفتی محمد شفیعؒ نے ’’اسلام کا نظامِ اراضی‘‘ کے عنوان سے کتاب لکھی۔ انہوں نے اپنی تحقیق کے نتیجے میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی رائے کے بالکل برعکس یہ رائے دی کہ پاکستان کی زمینیں عشری ہیں۔ ایک خاص مقدمے میں یہ معاملہ جب عدالت میں آیا تو شریعت بنچ نے فیصلہ دیا کہ یہ زمینیں عشری ہیں‘ لہٰذا کسی سے اس کی ایک انچ زمین بھی نہیں لی جا سکتی۔ یا تو اس سے خریدی جائے یا اسے معاوضہ (compensation) دیا جائے‘ یا پھر وہ اپنی مرضی سے دے دے۔ کوئی زمیندار اپنی زمین اپنی مرضی سے کسانوں اور ہاریوں میں تقسیم کر سکتا ہے۔ یہ تحریک انڈیا کے اندر شروع ہوئی تھی کہ زمیندار اپنی زمینیں رضا کارانہ طور پر اپنے کسانوں میں تقسیم کر دیں۔ چنانچہ ایسا بڑے پیمانے پر ہوا۔ ہمارے ہاں شریعت بنچ کے فیصلے کے بعد اب مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اگر یہ زمینیں عشری ہیں تو آپ ان کے مالک

سے ایک انچ بھی نہیں لے سکتے۔ لہٰذا اب کوئی بھی زرعی اصلاحات نہیں ہوسکتیں۔ ان کا دروازہ بند ہوگیا۔ ایوب خان کے زمانے میں تھوڑی سی زرعی اصلاحات ہوئی تھیں' جن کی حیثیت گویا سنار کی ٹک ٹک کی تھی' لوہار کا ہتھوڑا تو پڑا ہی نہیں۔ پھر بھٹو کے زمانے میں کچھ زرعی اصلاحات ہوئیں' لیکن چونکہ وہ خود بھی جاگیردار تھا' لہٰذا اپنی جاگیردارانہ کھلڑی سے باہر آ ہی نہیں سکا۔ زمینداروں نے اپنی زمینیں بیٹوں' بیٹیوں اور دوسرے رشتہ داروں کے نام کرا کے اپنی ملکیتیں اور جاگیریں بچالیں۔ لہٰذا جب تک کوئی زوردار ہتھوڑا نہ پڑے' یہ جاگیردارانہ نظام تو قائم رہے گا۔ اس لیے ضرورت ہے کہ ہمارے علماء ایک بورڈ بنا کر مجتہدانہ انداز میں ریسرچ کریں۔ مفتی محمد شفیعؒ صاحب کی آراء بھی سامنے رکھیں اور جن کی رائے خراجی ہونے کے حق میں ہے' ان کے دلائل بھی سمجھیں۔

میرے نزدیک یہ ہمارے پورے ملک وقوم کے لیے یوں سمجھئے کہ زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر آپ عوام کے دکھوں کا مداوا نہیں کریں گے تو آپ کی تحریک عوامی نہیں بنے گی۔ ہم نے ابتدا میں اس پر زیادہ زور اس لیے نہیں دیا کہ کہیں اسے کمیونزم کی تحریک نہ سمجھ لیا جائے۔ میں نے بات تو کہی لیکن اس کو اپنا مرکزی نکتہ نہیں بنایا' اس کے اوپر emphasis نہیں کیا' اس کو زیادہ بڑے پیمانے پر پھیلایا نہیں۔ البتہ انٹرویوز اور تقریروں میں اپنی رائے دیتا رہا ہوں۔ لیکن اب میں یہ سمجھتا ہوں کہ سب سے پہلے جدید تعلیم یافتہ طبقے' بالخصوص وکلاء کے سامنے یہاں اسلام کے قوانین کی ترویج کی عملی شکل پیش کی جائے۔ ان کو بتایا جائے کہ اس کے بغیر یہ ملک نہیں رہے گا۔ چاہے اس امتحان سے گزر جائے' اگلے امتحان میں فیل ہوجائے گا۔ پھر عذابِ اکبر کا کوڑا ہماری پیٹھ پر پڑ جائے گا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ یہاں تدریجی طور پر اسلام کی ترویج اور تنفیذ کا آغاز کیا جائے۔

اس معاملے میں پاکستان کے شمال سے جو تحریک چلی ہے' یہ ختم ہونے والی نہیں ہے۔ آپ نے بہت تشدد کرلیا' پوری فوج چلی گئی۔ ٹھیک ہے وقتی طور پر وہ چھپ جائیں گے' کہیں دبک جائیں گے' لیکن یہ تحریک مرنے والی نہیں ہے۔ جو کچھ وہاں ہو رہا ہے

اس میں تین قسم کے عناصر ہیں۔ ایک افغانستان کے طالبان' جن کا معاملہ وزیرستان وغیرہ کے اندر ہے۔ دوسرے جو غیر ملکی آئے ہوئے ہیں' وہ بھی وہاں پر موجود ہیں۔ تیسرے وہاں کے کچھ مقامی لوگ بھی ہیں۔ سوات اور دیر میں جو معاملہ اٹھا ہے' اس میں اگرچہ غیر ملکی اور طالبان بھی ہیں لیکن درحقیقت یہ مولوی صوفی محمد صاحب کی دس سال پرانی تحریک کا تسلسل ہے۔ اب اس کی قیادت کچھ جوشیلے لوگوں کے ہاتھ میں آ گئی ہے۔ ان میں مولوی صوفی محمد صاحب کے داماد مولانا فضل اللہ نمایاں ہیں۔ یہ تحریک مرے گی نہیں۔ اس کو آپ جتنا دبائیں گے اتنی ہی یہ ابھرے گی۔ وقتی طور پر شاید ایک عارضی سا سکون ہو جائے گا' لیکن اس علاقے کے لوگوں کے اندر مذہب کے ساتھ بہت گہرا لگاؤ ہے' اس کے ساتھ عملی تعلق ہے۔

دوسرے یہ کہ علماء کرام سے میں دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ خدا کے لیے غور کیجیے' اپنی تقلید محض کے خول سے نکلئے۔ یہ ٹھیک ہے کہ حنفی فقہ کا فتویٰ قاضی ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی رائے پر ہے' لیکن اس سے پہلے امام ابوحنیفہؒ ہیں' وہ مقدم ہیں۔ ان سے پہلے امام مالک ہیں۔ **الفَضل للمتُقدِم**۔ ان کی رائے کو سامنے رکھیے۔ اس وقت مصالح مرسلہ تو یہ ہے کہ عوام کو اس ظلم سے نجات دلانے کا کوئی ذریعہ ہونا چاہیے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا کہ ملک کفر کے ساتھ چل سکتا ہے' ظلم کے ساتھ نہیں چل سکتا۔ یہ ایک عمومی اصول ہے' لیکن پاکستان کفر کے ساتھ بھی نہیں چل سکتا۔ اس لیے کہ یہ بنا ہی اسلام کے نام پر ہے۔

iii) <u>خواتین کے حقوق کی پاسداری</u>: اس موقع پر تیسری بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ خواتین کے حقوق کے بارے میں ہمارے طرزِ عمل میں ایک کوتاہی رہی ہے۔ میں نے بھی پردے پر تو زور دیا ہے جو کہ میں اب بھی دیتا ہوں اور آئندہ بھی دوں گا' لیکن پاکستان میں خواتین پر جو ظلم ہوتے ہیں ان کے خلاف ہم نے آواز نہیں اٹھائی۔ اسلام کے سوا کون سا نظام ہے جو خواتین کو وراثت میں حق دیتا ہو! کیا ہم نے آواز اٹھائی؟ کیا ہم نے اس کے لیے کوئی مہم چلائی؟ جب میں مولوی صوفی محمد صاحب سے ملنے

کے لیے گیا تھا تو میں نے ان سے یہ بات بھی کی کہ آپ جو شریعت نافذ کرنا چاہتے ہیں' کیا اس میں لڑکیوں کو وراثت میں حصہ دلوائیں گے؟ کہنے لگے نہیں' یہ تو رواج کا معاملہ ہے۔ میں نے کہا اگر یہ معاملہ رواج کا ہے تو آج دنیا میں اسلام کا رواج بھی ختم ہو چکا ہے' پھر آپ اسلام کی فاتحہ پڑھ لیجیے۔ خیر اُن کی سمجھ میں بات آ گئی۔ کچھ دن کے بعد دوبارہ میں ان کے پاس گیا اور پوچھا تو کہنے لگے ہاں میں اب بیعت لے رہا ہوں کہ بیٹیوں کو بھی وراثت میں حصہ دیا جائے۔ میں نے پوچھا اب تک کتنے لوگوں نے اس پر بیعت کی ہے؟ انہوں نے فرمایا ۲۸ آدمیوں نے کی ہے۔ چلیے بات شروع تو ہوئی نا! لیکن ہم نے بھی اپنے موقف کے اندر یہ بات جس طریقے سے نمایاں کرنا چاہیے تھی' نہیں کی۔

ہمارے ہاں حقوقِ نسواں کا جو بل پاس ہوا' وہ تو عورتوں کو زنا کی سزا کے خوف سے آزاد کرنے کا ذریعہ ہے' اور کچھ نہیں۔ اس کے بعد نوید سنائی گئی تھی کہ ایک اور بل آئے گا۔ اس بارے میں کہا گیا تھا کہ یہ عورتوں کو وراثت میں حصہ دلائے گا۔ مجھے اس پر بڑی خوشی ہوئی تھی' لیکن معلوم نہیں وہ کہاں اٹک گیا' کہاں رک گیا ؎

کون سی وادی میں ہے' کون سی منزل میں ہے عشق بلاخیز کا قافلۂ سخت جاں!

اس میں یہ بھی تھا کہ جو شخص بیک وقت تین طلاقیں دے گا اسے سزا دی جائے گی' اور یہ بالکل صحیح بات ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ فتویٰ دیا تھا کہ اگر کوئی شخص تین طلاقیں بیک وقت دے گا تو تین ہی شمار ہوں گی' تو ساتھ ہی تین طلاقیں دینے والے کو کوڑے بھی مارتے تھے کہ تم نے یہ کیا کیا ہے۔ کیا تم دین اور شریعت کو مذاق بنا رہے ہو؟ تین طلاقیں وقفے وقفے سے ہیں۔

اسی طرح جو بچیاں ونی کر دی جاتی ہیں یہ بھی ہمارے ہاں ظلم ہو رہا ہے۔ اس پر کوئی مذہبی جماعت نہیں بولتی۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میری اپنی بھی کمزوری اور کوتاہی ہے۔ پھر یہ جو لڑکیوں کی قرآن کے ساتھ شادی کر دی جاتی ہے' شریعت کے ساتھ اس سے بڑا مذاق کیا ہو سکتا ہے! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ بڑے بڑے زمیندار اور جاگیردار نہیں چاہتے کہ ان کی جاگیریں تقسیم ہوں اور کوئی شخص داماد کی حیثیت سے کھڑا ہو جائے

کہ میری بیوی کا حصہ دو۔ لہٰذا لڑکی کی شادی قرآن کے ساتھ کر دی جاتی ہے۔ اب وہ لڑکی ساری عمر بیٹھی رہتی ہے۔ اندازہ کیجیے کہ کیسے اس کی جوانی بیت رہی ہے' کیسے اس کے دن رات گزر رہے ہیں! چنانچہ پاکستان میں عورتوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں' ان میں ونی' قرآن کے ساتھ شادی اور انہیں وراثت سے محروم رکھنا بہت بڑے بڑے ظلم ہیں' جن کا ازالہ بہت ضروری ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر آخری بات یہ کہی تھی کہ نماز کا اہتمام کرو اور جو تمہارے غلام اور تمہاری عورتیں ہیں ان کے حقوق کا لحاظ کرو۔ اب اگرچہ اس معنی میں ہمارے ہاں غلام نہیں ہیں لیکن آج کے کاشت کار اور ہاری کی حیثیت غلام جیسی ہی ہے۔ بلوچستان کے اندر جو سرداری نظام ہے وہ تو بدترین غلامی ہے۔ چنانچہ ان چیزوں کے خلاف بھی ہمیں بات کرنی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے! باقی ہمارا اصل کام حزب اللہ کی تیاری ہے۔ اس کے بغیر اس ملک میں اسلامی انقلاب نہیں آ سکتا۔ وہ حزب اللہ' جس کے ارکان میں پانچ چیزیں ہوں' جو میں گنوا چکا ہوں۔ طاقت کے حصول کے لیے ارکان کی ایک خاص تعداد درکار ہو گی۔ جاگیرداری نظام آسانی سے ختم ہونے والی بات نہیں ہے۔ تاہم کچھ شرعی قوانین کا نفاذ آسان ہے اگر اس طریقے کو اختیار کر لیا جائے جو میں نے بیان کیا ہے۔ چونکہ فقہی اعتبار سے بھی فتاویٰ موجود ہیں اس لیے جاگیرداری کو مکمل طور پر ختم کرنا بڑا مشکل کام ہے۔ ایسا ایک عوامی تحریک کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے' جیسا کہ شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے فَکُّ کُلِّ نِظَامٍ کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ اس کے لیے ہم کوشش میں لگے ہوئے ہیں۔ ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہہ رہے ہیں کہ ہم نے اپنی سی کوشش کی ہے۔ حزب اللہ کے اوصاف واضح کیے ہیں' مراحل انقلاب واضح کیے ہیں' منہج انقلابِ نبویؐ واضح کیا ہے۔ اور پھر اس نہج پر ایک حزب اللہ کی تیاری بھی ہو رہی ہے۔ اللہ کے فضل اور اس کی توفیق سے یہ کام ہم نے کیے ہیں۔ لیکن جن تین چیزوں کی طرف میں نے خاص طور پر آج توجہ دلائی ہے ان پر بھی کام کرنے کی ضرورت ہے!

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات○○

(ترتیب وتسوید: حافظ شفیق احمد' محمد خلیق)

فہم حدیث

اسلامؔ ایمان اور احسان

حدیثِ جبریلؑ کی روشنی میں (۲)

جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں

بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

کا ۱۵ جون ۲۰۰۷ء کا خطابِ جمعہ

خطبۂ مسنونہ کے بعد:

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ —— بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴﴾﴾ (الحُجُرٰت)

پچھلی نشست میں ہم نے ''حدیث جبریلؑ'' کے مطالعہ کا آغاز کیا تھا۔ اس میں ہم نے پوری حدیث مبارکہ کا متن اور ترجمہ پڑھا اور خاص طور پر اس کے ابتدائی اور اختتامی حصے کو واقعاتی انداز میں تفصیل سے پڑھا۔ آج ہم اللہ کی توفیق سے اس کے اصل متن پر گفتگو کریں گے۔ یہ اصل متن بالعموم چار سوالات پر مشتمل ہے، یعنی اسلام کیا ہے، ایمان کیا ہے، احسان کیا ہے اور قیامت کب قائم ہوگی یا اس کی علامات کیا ہیں۔ البتہ ایک روایت ایسی بھی ہے جس میں پانچواں سوال بھی ہے۔ اس ضمن میں مَیں آپ کو بتا چکا ہوں کہ احادیثِ نبویہؐ کے ضمن میں لفظی فرق کا ہونا بالکل منطقی اور معقول بات ہے۔ احادیث لفظاً محفوظ نہیں ہیں، البتہ معناً محفوظ ہیں۔ بہرحال ان میں سے پہلے دو

سوالات جو اہم ترین ہیں‘ یعنی اسلام اور ایمان‘ آج ان پر گفتگو ہوگی۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا: اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ ’’مجھے بتائیے اسلام کیا ہے!‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْهَدَ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا)) ’’اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اس کے رسول ہیں‘ اور تو نماز قائم کرے‘ زکوٰۃ ادا کرے‘ رمضان المبارک کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اگر تجھے اس کے سفر کی استطاعت حاصل ہو۔‘‘ (اس کے وسائل اور ذرائع تمہارے پاس موجود ہوں)۔ نوٹ کیجیے کہ یہاں لفظ ’’گواہی‘‘ آیا ہے ’’ایمان‘‘ نہیں آیا۔ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں: ((اَنْ تَشْهَدَ)) کہ تو گواہی دے ‘زبانی اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دوسرا سوال کیا: اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِیْمَانِ؟ ’’مجھے ایمان کے بارے میں بتائیے!‘‘ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ)) ’’کہ تو ایمان لائے (دل سے تصدیق کرے) اللہ پر‘ اُس کے فرشتوں پر‘ اس کی کتابوں پر‘ اُس کے رسولوں پر اور آخرت کے دن پر‘ اور تو ایمان لائے اچھی بری تقدیر پر‘‘۔ یہاں لفظ ’’ایمان‘‘ آ رہا ہے کہ تو ایمان لائے‘ دل سے تصدیق کرے اِن اِن چیزوں پر۔

یہاں ایک بات نوٹ کیجیے کہ یہ حدیث پانچ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے (جن کا پچھلی نشست میں ذکر ہو چکا ہے)۔ ان میں سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر تین صحابہؓ کی روایات میں پہلا سوال ’’اسلام‘‘ کے بارے میں اور دوسرا ’’ایمان‘‘ کے بارے میں ہے‘ جبکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت میں پہلا سوال ’’ایمان‘‘ کے بارے میں ہے اور دوسرا ’’اسلام‘‘ کے بارے میں۔

ان پانچ صحابہؓ میں سے ایک حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایک تقابلی مطالعہ

ہونا چاہیے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی مانند فقہائے صحابہ میں سے ہیں اور قرآن مجید کے بہت بڑے عالم مانے گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے ایک خاص دُعا کی تھی: ((اَللّٰھُمَّ فَقِّھْہُ فِی الدِّیْنِ وَعَلِّمْہُ التَّاْوِیْلَ))(۱) ''اے اللہ! اس نوجوان کو دین کا تفقہ (گہرا فہم) عطا فرما اور قرآن کی تأویل کی تعلیم دے''۔ جان لیجیے کہ ایک ہے قرآن مجید کی تفسیر اور ایک ہے تأویل۔ تفسیر یہ ہے کہ قرآن مجید کے ہر ہر لفظ کے معنی اور اُن کا باہم ربط بیان کرنا جبکہ تأویل ہے مضمون کو پہچان لینا کہ اصل میں سیاق وسباق کس مضمون پر دلالت کر رہا ہے۔

اب یہاں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایات میں لفظی فرق ملاحظہ کیجیے! حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ جبرائیلؑ نے کہا: اَخْبِرْنِیْ عَنِ الْاِسْلَامِ ''مجھے بتائیے کہ اسلام کیا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّا اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ، وَتُقِیْمَ الصَّلَاۃَ، وَتُؤْتِیَ الزَّکَاۃَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَیْتَ اِنِ اسْتَطَعْتَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا)) ''اسلام یہ ہے کہ تو گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمدؐ (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں، اور تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج ادا کرے اگر تجھے اس کے لیے سفر کی استطاعت ہو''۔ جبکہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ جبرائیلؑ نے کہا: حَدِّثْنِیْ بِالْاِسْلَامِ ''مجھے اسلام کے بارے میں بتائیے''۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْاِسْلَامُ اَنْ تُسْلِمَ وَجْھَکَ لِلّٰہِ)) ''اسلام یہ ہے کہ تو اپنے چہرے کو اللہ کے سامنے جھکا دے (سرِتسلیم خم کر دے)''۔ یہ لفظ اسلام کے ساتھ معنوی مناسبت رکھتا ہے۔ اسلام کے معنی ہی ہیں سرنڈر کر دینا، اطاعت قبول کر لینا۔ لیکن نوٹ کیجیے کہ اس روایت میں عبادات یعنی نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا ذکر نہیں ہے جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، البتہ اس سے پہلے جو الفاظ آئے ہیں وہ بہت جامع ہیں کہ ''اپنا چہرہ اللہ کے سامنے جھکا دو''۔ اس میں ساری عبادات خود بخود شامل ہو جاتی ہیں۔ حضرت عبداللہ بن

---

(۱) مسند احمد، ح ۲۲۷٤۔

عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق حضرت جبرائیلؑ دریافت فرماتے ہیں: اِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَاَنَا مُسْلِمٌ؟'' (اے نبیؐ! مجھے بتائیے) اگر میں یہ کام کر دوں (جو آپ نے بتائے ہیں) تو پھر میں مسلمان شمار کیا جاؤں گا؟'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((اِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَقَدْ اَسْلَمْتَ)) ''جب تم یہ شرائط پوری کر دو تو تم گویا اسلام میں آ گئے''۔

اس کے بعد حضرت جبرائیلؑ فرماتے ہیں: فَحَدِّثْنِیْ مَا الْاِیْمَانُ؟ ''اب مجھے بتائیے ایمان کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ((اَلْاِیْمَانُ اَنْ تُؤْمِنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِکَۃِ وَالْکِتَابِ وَالنَّبِیِّیْنَ وَتُؤْمِنَ بِالْمَوْتِ وَبِالْحَیٰوۃِ بَعْدَ الْمَوْتِ، وَتُؤْمِنَ بِالْجَنَّۃِ وَالنَّارِ وَالْحِسَابِ وَالْمِیْزَانِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ کُلِّہٖ خَیْرِہٖ وَشَرِّہٖ)) ''ایمان یہ ہے کہ تو ایمان لائے اللہ پر، آخرت کے دن پر، فرشتوں پر، کتابوں پر، نبیوں پر، اور تو موت پر یقین رکھے، اور موت کے بعد کی زندگی پر یقین رکھے، اور تو جنت و دوزخ اور حساب و میزان سب کو مانے، اور تقدیر پر ایمان رکھے کہ اس کا خیر ہو یا شر سب اللہ کی طرف سے ہے''۔ جبرائیلؑ نے دریافت فرمایا: فَاِذَا فَعَلْتُ ذٰلِکَ فَقَدْ آمَنْتُ؟ ''جب میں یہ کر گزروں تو پھر گویا میں مؤمن ہو جاؤں گا؟ (میرا ایمان اللہ کے ہاں قبول ہو گا؟)'' تو آپؐ نے فرمایا: ((فَاِذَا فَعَلْتَ ذٰلِکَ فَقَدْ آمَنْتَ)) ''پس جب تم یہ کر دو تو تم گویا ایمان لے آئے''۔ اب یہاں لفظی فرق و تفاوت تو سامنے آ رہا ہے لیکن ذہن میں رکھیے کہ مفہوم میں فرق نہیں ہے۔

اب یہاں پر ''اسلام'' اور ''ایمان'' کے مابین جو بحث پیدا ہوتی ہے کہ اسلام کیا ہے، ایمان کیا ہے، تو اس ضمن میں چند موٹی موٹی باتیں جان لینی ضروری ہیں۔ ایک تو یہ کہ قرآن مجید میں یہ دونوں الفاظ ''اسلام'' اور ''ایمان'' مترادفات کے طور پر بھی استعمال ہوئے ہیں اور باہم متضاد بھی۔ اسلام کا تعلق انسان کے ظاہری اعمال سے، جبکہ ایمان کا تعلق قلبی یقین سے ہے۔ اب جس شخص کو یہ دونوں حاصل ہوں، یعنی عمل میں اسلام کی پابندی ہو، شریعت کی پابندی ہو، اور دل میں اللہ پر اور تمام امورِ ایمانیہ پر یقین ہو تو اب اسے مسلم کہہ لیں یا مؤمن کہہ لیں، کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ جیسے انگریزی

مقولہ ہے: ''Call the rose by any name it will smell as sweet.'' کہ گلاب کے پھول کو نام کوئی بھی دے دو اس کی خوشبو تو وہی رہے گی۔ ایسے ہی قرآن مجید میں اس قسم کی اصطلاحات کا دوسرا جوڑا ''نبی'' اور ''رسول'' ہے۔ یہ دونوں الفاظ مترادف بھی ہیں اور مختلف المعنیٰ بھی۔ اس ضمن میں علماء کا اصول ہے: اِذَا اجْتَمَعَا تَفَرَّقَا وَاِذَا تَفَرَّقَا اجْتَمَعَا ''جب (اس قسم کے الفاظ) دونوں ایک ہی جگہ پر آئیں تو مفہوم جدا جدا ہوگا اور جب الگ الگ استعمال ہوں گے تو مفہوم ایک ہو جائے گا''۔

دیکھئے اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے اور ایمان کا تعلق باطن سے۔ دوسری طرف ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اسلام کا تعلق اس دنیا سے ہے اور ایمان کا تعلق آخرت سے ہے۔ اس دنیا میں کسی کے مسلمان سمجھے جانے کا دارومدار اسلام پر ہے ایمان پر نہیں' اس لیے کہ ایمان تو ایک قلبی حقیقت ہے' اس کی توثیق کیسے ہوگی؟ یہ بہت اہم نکتہ ہے۔ کسی کے ایمان کا یا اس کے مؤمن ہونے کا فیصلہ ہم اس دنیا میں نہیں کر سکتے۔ عمومی طور پر تو یہ باتیں کہی جا سکتی ہیں کہ جس میں یہ یہ صفات ہوں وہ مؤمن ہے اور جس میں یہ یہ اوصاف ہوں وہ منافق ہے' لیکن معین طور پر ہم کسی کے بارے میں نہیں کہہ سکتے کہ فلاں شخص مؤمن ہے یا فلاں شخص منافق ہے۔ اس لیے کہ اسلام کا تعلق اس دنیا سے ہے اور اس میں اصل بنیاد شہادت ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں تو مذکور ہی صرف شہادت ہے' نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کا تو ذکر بھی نہیں ہے۔ اس لیے کہ ایک شخص ہندو تھا اور اُس نے کلمہ پڑھ لیا تو وہ اُسی وقت مسلمان ہو گیا۔ اُس نے ابھی نہ تو نماز پڑھی اور نہ روزہ رکھا۔ وہ نماز سیکھے گا تو پڑھے گا یا وقت آئے گا تب پڑھے گا۔ ایسے ہی رمضان آئے گا تو پتا چلے گا کہ اُس نے روزے رکھے ہیں یا نہیں رکھے۔ اِس وقت وہ صرف کلمۂ شہادت کی بنیاد پر مسلمان ہوا ہے۔ چنانچہ اسلام کا معاملہ شہادت پر مبنی ہے' اسلام کی جڑ اور بنیاد شہادت ہے۔ کوئی شخص ہمارے سامنے آ کر کہتا ہے کہ: ''اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـــهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ'' تو ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ چاہے قرائن موجود ہوں اور حالات یہ گواہی دے رہے ہوں کہ اُس نے دل

سے کلمہ نہیں پڑھا تب بھی ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ مسلمان نہیں ہے۔ البتہ بعد میں اگر معلوم ہو کہ یہ بدبخت تو قرآن کو نہیں مانتا' ضروریاتِ دین میں سے کسی چیز کا منکر ہے' ختم نبوت کا قائل نہیں ہے' بلکہ نبوت کے اجراء کا قائل ہے' تو اب اس کی تکفیر کی جائے گی۔ یہ ایک الگ معاملہ ہے۔ لیکن اگر کسی کلمہ گو کے بارے میں کچھ معلوم نہیں تو پھر ہم اس کے مسلمان یا مؤمن ہونے کا انکار نہیں کر سکتے۔ قرآن مجید میں اس قسم کے ایک واقعے کا ذکر بھی موجود ہے۔ مسلمان مجاہدین جب جہاد کے لیے باہر نکلتے تھے تو کہیں ایسا بھی ہوتا تھا کہ کسی نے ان کو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' کہا۔ گویا وہ یہ ظاہر کر رہا ہے کہ وہ مسلمان ہے۔ اب مجاہدینِ اسلام کو خیال گزرتا کہ یہ شخص اپنا مال اور اپنی جان بچانے کے لیے اپنا جھوٹ موٹ کا اسلام ظاہر کر رہا ہے کہ وہ مسلمان ہے' لہٰذا اسے کہتے کہ تم مؤمن نہیں ہو۔ لیکن قرآن مجید میں سورۃ النساء کی آیت ۹۴ میں اس چیز سے روک دیا گیا۔ ارشاد ہوا:

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾

''اے اہل ایمان! جب تم اللہ کی راہ میں نکلو تو تحقیق کر لیا کرو اور کسی ایسے شخص کو جو تمہارے سامنے سلامتی پیش کرے (تمہیں سلام کہے یا اپنا اسلام پیش کرے) یہ نہ کہو کہ تم مؤمن نہیں ہو۔''

اس لیے کہ اسلام کا دارومدار' یا یوں کہیے کہ قانونی ایمان کا دارومدار درحقیقت شہادت پر ہے۔ ایک جنگ میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما نے ایک ایسے ہی شخص کی جان لے لی۔ حضرت اسامہ بن زیدؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت چہیتے اور لاڈلے تھے۔ ان کے والد حضرت زید بن حارثہؓ آپؐ کے غلام تھے' آپؐ نے انہیں آزاد کیا اور اپنا مُنہ بولا بیٹا بنا لیا۔ بعد میں سورۃ الاحزاب کی یہ آیت نازل ہوئی کہ اس طرح کا مُنہ بولا رشتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی اہمیت نہیں رکھتا' اس کی کوئی حقیقت نہیں ہے تو حضرت زیدؓ جنہیں زیدؓ بن محمدؐ کہا جاتا تھا دوبارہ زید بن حارثہؓ کہلانے لگے۔ بہرحال ایک جنگ میں حضرت اسامہ ابن زید رضی اللہ عنہما کی کفار کے لشکر میں سے ایک شخص سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ وہ شخص حضرت اسامہؓ

کی تلوار کی زد میں تھا کہ اُس نے کلمۂ شہادت پڑھ لیا: اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـــہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔ حضرت اسامہؓ نے سمجھا کہ یہ جان بچانے کا حیلہ کر رہا ہے‘ لہٰذا اس پر تلوار چلا دی اور سر قلم کر دیا۔ بعد میں اُسامہؓ جب رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش ہوئے تو آپؐ نے انتہائی ناراضگی کا اظہار فرمایا‘ حالانکہ حالات و واقعات سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ اُس شخص نے جان بچانے کے لیے ایسا کیا ہوگا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اے اسامہ! اُس وقت تم کیا کرو گے جب قیامت کے دن یہ کلمۂ شہادت تمہارے خلاف گواہی دینے کے لیے آئے گا کہ میرے ہوتے ہوئے تلوار چل گئی! پس کلمہ شہادت تو ڈھال ہے۔ اس سے ایک مسلمان کے دنیا میں جو حقوق ہیں وہ سارے کے سارے حاصل ہو جائیں گے۔ چنانچہ دنیا میں کسی کے مسلمان ہونے یا نہ ہونے کا فیصلہ اسلام کی بنیاد پر ہوگا‘ ایمان کی بنیاد پر نہیں۔ اسی لیے اسلام اور ایمان کے بارے میں الگ الگ سوال کیا گیا کہ اسلام کیا ہے؟ اور ایمان کیا ہے؟ لہٰذا اسلام اور ایمان کو گڈمڈ کرنے کے بجائے علیحدہ علیحدہ رکھنا ہوگا۔

دوسرے یہ کہ اسی اسلام کی بنیاد پر اسلامی تمدن اور تہذیب کا پورا ڈھانچہ کھڑا ہوتا ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ‘ ایتائے زکوٰۃ‘ صومِ رمضان اور حج بیت اللہ اسلامی تہذیب و تمدن کی علامات ہیں۔ ان سے دنیا میں اسلامی تہذیب کا ڈھانچہ وجود میں آتا ہے۔ لہٰذا نماز اور زکوٰۃ کا نظام قائم ہوگا‘ رمضان کے روزے رکھے جائیں گے‘ بیت اللہ کا حج کیا جائے گا۔ گویا اسلام کا تعلق اس دنیا سے ہے جبکہ ایمان کا تعلق آخرت سے ہے۔ اُخروی نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ دل میں ایمان ہوگا تو نجات ہوگی‘ ورنہ نہیں۔ آخرت میں جب اللہ تبارک وتعالیٰ کے روبرو ہماری حاضری ہوگی‘ جو عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ہے‘ تو وہاں سب ظاہر ہو جائے گا کہ دل میں کتنا ایمان ہے۔ دنیا میں تو ہم نہیں جان سکتے کہ کسی کے دل میں ایمان ہے یا نہیں ہے۔ کوئی ایسا آلہ ہمارے پاس نہیں ہے‘ کوئی ایسا الیکٹرو کارڈیوگرام ابھی تک ایجاد نہیں ہوا جو یہ بتا دے کہ دل میں ایمان ہے یا نہیں‘ لیکن اللہ تعالیٰ کے علم کامل میں تو ہے! لہٰذا قیامت کے دن نجات کا دارومدار ایمان پر ہے۔ اور یہ بھی نوٹ کر لیجیے

کہ دنیا میں اسلام کے اخلاقی اور روحانی نظام کی بنیاد بھی ایمان ہے۔ اگر دنیا میں کوئی اخلاقی اور روحانی بلندی چاہتا ہے‘ ترفع چاہتا ہے‘ تو اس کی بنیاد ایمان ہے۔

اب میں بات کو سمجھانے کے لیے تعبیر کا ایک اور انداز آپ کے سامنے لا رہا ہوں۔ دیکھئے قانونی اسلام اور قانونی ایمان ایک ہی چیز ہے۔ اسی طرح حقیقی اسلام اور حقیقی ایمان بھی ایک ہی چیز ہے۔ قانونی اسلام کلمۂ شہادت پر مبنی ہے اور اسی کو ہم قانونی ایمان بھی کہتے ہیں۔ حقیقی اسلام تو یہ ہے کہ ہمہ تن‘ ہمہ وجوہ اللہ کا بندہ بن جانا۔ یہ اسلام جہاں نقطۂ آغاز (starting point) ہے وہاں آخری درجہ (final stage) بھی یہی ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہما السلام جب خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے تو یہ حضرت ابراہیمؑ کے بڑھاپے کا زمانہ تھا‘ ان کی سو برس کی عمر تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام تیرہ برس کے تھے۔ اُس وقت دونوں باپ بیٹا اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے: ﴿رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ﴾ ’’اے اللہ! ہمیں (باپ بیٹا دونوں کو) اپنا فرماں بردار (اپنا مسلمان) بنائے رکھ اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک اپنی فرماں بردار (مسلمان) اُمت برپا کرنا!‘‘ تو دیکھئے اتنے اونچے مقام پر پہنچ کر بھی وہ اپنے لیے یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے اللہ انہیں مسلمان بنائے رکھ! لہٰذا یہ نہ سمجھئے کہ اسلام کوئی حقیر شے ہے‘ معاذ اللہ۔ ہاں قانونی اسلام کا صرف کلمۂ شہادت پر دار و مدار ہے۔ اس میں ایمان و یقین کا کوئی ریفرنس نہیں ہے۔ جبکہ حقیقی اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے حوالے کر دینا‘ سرِتسلیم خم کر دینا‘ پوری زندگی کو اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع کر دینا۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ قانونی اسلام اور قانونی ایمان ایک ہی شے ہے۔ سورۃ النساء کی آیت ۹۴ ہم پڑھ چکے ہیں کہ جو شخص تمہارے سامنے اپنے آپ کو مسلمان کی حیثیت سے پیش کر رہا ہے تو تم اسے یہ نہیں کہہ سکتے: ﴿لَسْتَ مُؤْمِنًا﴾ ’’تم مؤمن نہیں ہو‘‘۔ یہاں ایمان کا لفظ کس لیے آ رہا ہے؟ یہ دراصل قانونی ایمان ہے جو قانونی اسلام کے مترادف ہے۔ اور حقیقی ایمان کیا ہے؟ وہ ہے دل میں یقین کا پیدا ہونا۔ ایمان کے لفظی معنی ہیں تصدیق کرنا۔ ایمان کے بعد ’’ب‘‘

یا ''ل'' کا صلہ آتا ہے ''آمَنَ بِہٖ'' یا ''آمَنَ لَہٗ'' ۔مقدم الذکر انداز سے ایک قلبی تصدیق' یقین والی تصدیق مراد ہوتی ہے' جبکہ مؤخر الذکر انداز میں محض سرسری تصدیق ہوتی ہے کہ کسی نے آ کر آپ کو کوئی خبر دی اور آپ نے اس کی نفی نہیں کی ۔اسی لیے ایمان کی تفصیل میں آمَنْتُ بِاللّٰہِ وَمَلَائِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ.....الخ کے الفاظ ''بِ'' کے ساتھ آتے ہیں ۔اسی طرح سورۃ البقرۃ میں الفاظ آئے ہیں: ﴿لَیْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْھَکُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰکِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ﴾ (آیت ۱۷۷) ''نیکی بس یہی نہیں کہ تم اپنا رُخ مشرق اور مغرب کی طرف پھیر لو' بلکہ نیکی (کا کمال) تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ' روزِ قیامت' فرشتوں' کتاب اور تمام نبیوں پر ایمان لائے'' ۔اور: ﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْہِ مِنْ رَّبِّہٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾ (البقرۃ: ۲۸۵) ''یہ رسول (ﷺ) اور مؤمنین ایمان لائے اس (کتاب) پر جو اتاری گئی اس کی طرف اس کے ربّ کی طرف سے''۔

جب دل میں ایمان ہوتا ہے تو عمل میں اس کا ظہور ہوتا ہے۔ جب ایمان دل کی گہرائیوں میں جاگزیں اور راسخ ہو جائے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی ہو' اللہ تعالیٰ کے کسی فرمان سے سرتابی کی جائے! دراصل جب اسلام اور ایمان کی اصطلاحات کو گڈمڈ کر دیا جاتا ہے تو پھر مغالطے پیدا ہو جاتے ہیں۔ سورۃ النساء اور سورۃ المائدۃ میں دو ایمانوں کا ذکر ہو رہا ہے' قانونی ایمان اور حقیقی ایمان۔ سورۃ النساء میں ارشاد ہے: ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَالْکِتٰبِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ﴾ (آیت ۱۳۶) ''اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اُس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اُس نے اپنے رسول پر نازل کی' اور اس کتاب پر جو کہ پہلے نازل کی تھی''۔ اب یہاں کہا جا رہا ہے کہ اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔ تو یہ دو ایمان ہو گئے۔ مراد یہ ہے کہ قانونی ایمان تو تمہیں حاصل ہو چکا ہے' تم نے کلمۂ شہادت پڑھا' تم نے اقرار کیا: آمَنْتُ بِاللّٰہِ کَمَا ھُوَ بِاَسْمَائِہٖ وَصِفَاتِہٖ وَقَبِلْتُ جَمِیْعَ اَحْکَامِہٖ اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ وَتَصْدِیْقٌ بِالْقَلْبِ. لہٰذا تم قانونی مؤمن تو ہو گئے'

اب حقیقی ایمان لاؤ۔ یہی معاملہ سورۃ المائدۃ کی آیت ۹۳ کا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب حرمتِ شراب کا آخری حکم آیا تو صحابہ کرام ؓ میں ایک تشویش پیدا ہوگئی کہ جب شراب کی حرمت کے بارے میں قرآن مجید میں اشارات وارد ہو رہے تھے تو کاش ہم اُسی وقت اس کو چھوڑ دیتے' لیکن اب تو ہمیں شراب پیتے پچاس پچاس برس ہو گئے ہیں' اب تو شراب ہمارے جسم کے ایک ایک خلیے کے اندر پہنچ چکی ہوگی' ہمارا تو اَب وجود ہی نجس ہو چکا ہے' یہ کیسے پاک ہوگا! تو یہاں اس تشویش کا ازالہ کیا گیا کہ نہیں' اس حکم قطعی کے آنے سے پہلے جو تم نے کھایا پیا ہے اس پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے۔ فرمایا:

﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۹۳﴾ (المائدۃ)

''جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے انہوں نے پہلے جو کچھ کھایا پیا اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی جبکہ اُن کا طرزِ عمل یہ رہا ہو کہ انہوں نے تقویٰ کی روش اختیار کی اور ایمان لائے' اور عمل صالح کیے' پھر مزید تقویٰ کا اضافہ کیا اور ایمان لائے' پھر مزید تقویٰ اختیار کیا اور احسان کی روش اختیار کی۔ اور اللہ محسنین سے محبت رکھتا ہے''۔

اسی طرح سورۃ الصّف میں فرمایا گیا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰي تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۭ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝﴾

''اے ایمان والو! کیا میں تمہیں بتاؤں وہ تجارت جو تمہیں دردناک عذاب سے چھٹکارا دلا دے؟ ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ۔ یہی تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم جانتے ہو''

تو جان لیجیے کہ پہلا ایمان ''قانونی ایمان'' اور دوسرا ایمان ''حقیقی ایمان'' ہے۔ اور اس پر بھی بس نہیں' بلکہ سورۃ المائدۃ کی متذکرہ بالا آیت میں تو اس کے بعد تیسری منزل ''احسان'' کا ذکر ہے۔ آیت کے اختتامی الفاظ پھر پڑھ لیجیے: ﴿وَاللّٰهُ يُحِبُّ

الْمُحْسِنِيْنَ﴿۹۳﴾ ''اور اللہ تعالیٰ کی اصل محبت تو محسنین سے ہے''۔ یہ ہیں وہ تین درجے: اسلام' ایمان اور احسان۔

سورۃ الحجرات میں اسلام اور ایمان کو دو علیحدہ علیحدہ اصطلاحات میں بیان کیا گیا۔ چنانچہ قانونی ایمان کو ''اسلام'' کہا گیا اور حقیقی ایمان کو ''ایمان''۔ اگر کوئی اس اصطلاحی فرق کو اچھی طرح سمجھ کر اور پیشِ نظر رکھ کر قرآن مجید کا مطالعہ کرے گا تو کہیں ٹھوکر نہیں کھائے گا۔ فرمایا: ﴿قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا ؕ قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ﴾ ''یہ بدو دعویٰ کر رہے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے۔ (اے نبیؐ!) ان سے کہہ دیجیے تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو (اس مغالطے میں نہ رہنا) 'بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں' اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ یعنی ایمان تو وہ ہوگا جب وہ تمہارے دلوں میں راسخ ہو جائے گا۔ ابھی تک یہ قانونی ایمان ہے' جو اسلام کے درجے کی شے ہے۔ قانونی ایمان کی بنیاد پر تم مسلمان قرار پائے ہو۔ آگے فرمایا: ﴿وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا ؕ﴾ ''اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ہرگز کچھ کم نہیں کرے گا''۔ یہ ایک عجیب بات سامنے آ رہی ہے کہ ان کے ایمان کی نفی مطلق ہے کہ ﴿لَمْ تُؤْمِنُوْا﴾ ''تم ہرگز ایمان نہیں لائے ہو''۔ اور: ﴿وَلَمَّا یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قُلُوْبِکُمْ ؕ﴾ ''اور ابھی تک ایمان تمہارے دلوں میں داخل نہیں ہوا''۔ لیکن یہاں انہیں مسلمان مانا جا رہا ہے کہ: ﴿وَلٰکِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا﴾ ''بلکہ تم یوں کہو کہ ہم اسلام لے آئے ہیں''۔ اور ساتھ ہی ان کے اعمال کو قبول بھی کیا جا رہا ہے کہ: ﴿وَاِنْ تُطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ لَا یَلِتْکُمْ مِّنْ اَعْمَالِکُمْ شَیْئًا﴾ ''اور اگر تم اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرتے رہو تو اللہ تمہارے اعمال میں سے ہرگز کچھ کم نہیں کرے گا''۔ اکثر لوگوں کو اس میں دھوکہ ہوا ہے کہ یہاں جن کا ذکر ہو رہا ہے وہ منافق ہیں۔ میں کہتا ہوں ایسا ہرگز نہیں ہے' منافق کا تو کوئی عمل قبول ہی نہیں' لہٰذا یہ منافق نہیں ہیں' یہ ان کا محض اسلام ہے جو بغیر ایمان کے ہے۔

اس بات کو امام ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب ''الایمان'' کے اندر بہت خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے کہ ایمان کے بغیر بھی اسلام ہوسکتا ہے۔ جو شخص ابھی ایمان لایا ہے تو ظاہر بات ہے کہ وہ مسلمان تو ہو گیا ہے' اب ایمان اس کے دل میں کب راسخ ہوگا یہ دوسری بات ہے۔ جیسے ہمارا معاملہ ہے کہ ہم پیدا ہوئے تو ہمیں داہنے کان میں اذان سنا دی گئی' بائیں میں اقامت پڑھی گئی۔ ہم دو اڑھائی سال کے ہوئے تو اپنے ماں باپ کو نماز پڑھتے دیکھ کر ان کے ساتھ ہم بھی سجدے کرنے لگ گئے۔ پھر پانچ سات برس کے ہوئے تو نماز شروع کر دی۔ اس طرح اسلام تو پیدائشی طور پر حاصل ہو گیا' لیکن ایمان اگر آئے گا تو آتے آتے آئے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُن خوش نصیبوں میں شامل فرمائے جنہیں ایمان کی دولت حاصل ہے۔ لہٰذا اسلام اور ایمان کے اندر یہ فرق لازم ہے۔

یہی معاملہ ان بدوؤں کا تھا جن سے کہا جا رہا ہے کہ تم ایمان نہیں لائے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری دَور میں فتح مکہ کے بعد' بلکہ کچھ غزوۂ تبوک کے بھی بعد ایمان لائے۔ اس کے بعد سورۃ التوبہ کی پہلی چھ آیات نازل ہوئیں کہ اب مشرکین کے ساتھ اہل ایمان کا کوئی معاہدہ نہیں ہے' سارے معاہدے ختم ہیں' اب چار مہینے کی مہلت ہے کہ مشرکین عرب میں سے جو کوئی ایمان نہیں لائے گا تو قتل کر دیا جائے گا۔ سورۃ التوبۃ کی یہ پہلی چھ آیات قرآن مجید کی سخت ترین آیات ہیں۔ اس سورۂ توبہ کے شروع میں آیت بسم اللہ نہیں ہے' جس کی ایک تأویل یہی کی گئی ہے کہ یہ سورت تلوار ہاتھ میں لے کر نازل ہوئی ہے۔ آیت بسم اللہ میں تو اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی الرحمٰن اور الرحیم شامل ہیں' جبکہ یہاں تو اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمانیت کا نہیں بلکہ اُس کے جلال کا ظہور ہو رہا ہے' چنانچہ یہاں آیت بسم اللہ نہیں ہے۔ یہاں اعلان کیا جا رہا ہے کہ مشرکین عرب میں سے جو ایمان نہ لایا تو اسے اب قتل کر دیا جائے۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کی اصل بعثت بنی اسماعیل یعنی اہل عرب کے لیے تھی۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا قاعدہ اور قانون رہا ہے کہ جس قوم کی طرف معین طور پر رسول بھیج دیا جاتا تھا وہ اگر ایمان نہ لاتی تھی تو برباد کر دی جاتی تھی' ختم کر دی جاتی تھی۔ چنانچہ قومِ نوح ہلاک کی گئی' قومِ ہود

ہلاک کی گئی‘ قومِ صالح ہلاک کی گئی‘ قوم شعیب ہلاک کی گئی‘ صدوم وعامورہ کی بستیاں تباہ کی گئیں‘ آلِ فرعون ہلاک کیے گئے۔ چونکہ آپ ﷺ اُمیین عرب میں سے تھے اور ان پر آپؐ کے ذریعے سے اِتمامِ حجت ہو چکا تھا‘ لہٰذا اس اصول کے تحت حکم نازل ہوا کہ اب اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو ان کو تہہ تیغ کر دیا جائے گا۔ اس چیلنج کے بعد کچھ لوگ تو ایسے نکلے جو ایمان نہیں لائے اور جان بچانے کے لیے انہوں نے عرب سے ہجرت کر لی‘ جبکہ اکثریت نے اسلام قبول کر لیا۔ اب اُس وقت جنہوں نے اسلام قبول کیا‘ ان میں یقیناً ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے خلوصِ دل سے اسلام قبول کیا ہوگا۔ لیکن ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے منافقت سے اسلام قبول کیا ہوگا کہ ٹھیک ہے اب تو مجبوری ہے‘ ایمان لے آؤ اور جان بچاؤ‘ پھر کوئی موقع دیکھیں گے تو سر اٹھائیں گے‘ پھر کوئی جوابی انقلاب (Counter Revolution) لانے کی کوشش کریں گے۔ اور بعد میں ایسا ہوا بھی۔ اور کچھ لوگ ایسے بھی ہوں گے جن کا معاملہ بَیْن بَیْن ہو‘ یعنی نہ تو ان کے دل میں بدنیتی تھی کہ انہیں منافق کہا جائے اور نہ دل میں واقعی ایمان آیا تھا کہ مؤمن قرار دیے جائیں‘ یعنی نہ تو مؤمن ہیں اور نہ منافق‘ بلکہ ایک درمیانی معاملہ ہے کہ بغیر ایمان کے اسلام ہے۔

اب سوچیے کہ اِس وقت اُمت مسلمہ کی عظیم اکثریت کی اصل گمراہی کیا ہے؟ یہ کہ لوگ قانونی اسلام اور حقیقی اسلام یا حقیقی ایمان کو ایک سمجھ بیٹھے ہیں کہ جب ہم مسلمان ہیں تو مؤمن ہیں۔ اور یہی حماقت اور مغالطہ ہے۔ مسلمان ہونا اور شے ہے‘ مؤمن ہونا اور شے ہے۔ ع ’’زعشق تا بہ صبوری ہزار فرسنگ است!‘‘ ہم چونکہ قانوناً مسلمان ہیں لہٰذا مغالطہ ہو گیا ہے کہ ہم مؤمن ہیں۔ ہماری ساری بے عملی اور بدعملی کا سبب یہی مغالطہ ہے۔ اور اس پر ہمیں تشویش اس لیے نہیں ہوتی کہ ہم اس زعم میں ہیں کہ ہم بہرحال کلمہ گو ہیں‘ مسلمان ہیں‘ اور جب ہم مسلمان ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل ایمان کے ساتھ جو وعدے کیے ہیں وہ ہمارے ساتھ پورے ہوں گے۔ یہ اصل مغالطہ ہے جس کا ہم شکار ہیں۔ قانونی اسلام کا تعلق حقیقی ایمان کے ساتھ جوڑ دینا غلط ہے۔ قانونی اسلام کا تعلق قانونی ایمان کے ساتھ جڑے گا‘ حقیقی ایمان کے ساتھ نہیں۔ اِس

وقت اُمت کی عظیم اکثریت کی گمراہی کا اصل سبب یہی ہے کہ قانونی اسلام کو یا قانونی ایمان کو حقیقی اسلام یا حقیقی ایمان سمجھ لیا گیا ہے۔ حالانکہ قرآن مجید میں اہل ایمان کے ساتھ جو وعدے بھی ہیں وہ حقیقی مؤمنین کے ساتھ ہیں۔

اس حقیقی ایمان کے اثرات وثمرات اور آثار قرآن حکیم میں مختلف مقامات پر بیان کیے گئے ہیں۔ ان میں سے سب سے جامع مقام سورۃ الحجرات کی آخری آیات ہیں۔ متذکرہ بالا آیت سے اگلی آیت میں ایمانِ حقیقی کی نہایت جامع تعریف بیان کی گئی ہے:

﴿اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ﴾

''مؤمن تو صرف وہ ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسول پر' پھر شک میں ہرگز نہیں پڑے' اور انہوں نے جہاد کیا اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں۔ صرف یہی لوگ (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں''۔

اب میں آپ کے سامنے ایک اجمالی سا نقشہ رکھنا چاہتا ہوں۔ ہمارے ہاں اس ضمن میں بہت زیادہ کلامی بحثیں ہوئی ہیں' بحث وتمحیص پر بہت زور رہا ہے' منطق کا استعمال کرنا' بال کی کھال اتارنا' یہ سارا کام ہی ہمارے ہاں ہوا ہے۔ ایمان کے لیے اقرارٌ باللسان' تصدیقٌ بالقلب اور عمل صالح' یہ تین چیزیں لازم وملزوم ہیں یا نہیں' اس سوال پر بڑی بحثیں' بڑے مباحثے' بڑے مناظرے اور بڑے علمی معرکے ہوئے ہیں اور مختلف نقطہ ہائے نظر کے حامل بڑے عجیب عجیب گروہ سامنے آئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرقہ ''کرامیہ'' کا تھا۔ اگرچہ اس نام سے اب کوئی فرقہ ہمارے ہاں نہیں ہے' مگر ہمارا عمل انہی سے ملتا جلتا ہے۔ ان کا موقف یہ تھا کہ محض اقرارٌ باللسان سے نجات ہو جائے گی' کوئی اچھا عمل کر لیا تب بھی ٹھیک ہے اور اگر نہیں تو پھر بھی کوئی بات نہیں۔ ان کا یہ موقف ایک حدیث نبویؐ پر مبنی تھا۔ اگر کوئی پورے مجموعۂ احادیث کو سامنے رکھنے کی بجائے صرف ایک حدیث لے لے تو پھر اتنی بڑی ٹھوکر کھانے کا امکان ضرور رہتا ہے۔ بخاری شریف میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ((مَا مِنْ عَبْدٍ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ثُمَّ مَاتَ عَلٰی ذٰلِكَ اِلَّا دَخَلَ

الْجَنَّةَ))(۱) ''کوئی شخص ایسا نہیں ہے جو کہے لا الٰہ الا اللہ' پھر اسی پر اُس کی موت واقع ہو جائے' مگر یہ کہ وہ جنت میں داخل ہوگا''۔ حضرت ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا حضور! وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ؟ ''چاہے اُس شخص نے زنا کیا ہو اور چاہے چوری کی ہو (تب بھی)؟'' آپؐ نے فرمایا: ((وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ؟)) ''ہاں' چاہے اُس نے زنا کیا ہو' چاہے چوری کی ہو''۔ حضرت ابوذرؓ نے پھر سوال کیا: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ؟ ''چاہے اس نے زنا کیا ہو' اور چاہے چوری کی ہو؟'' آپ ﷺ نے پھر فرمایا: ((وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ؟)) ''ہاں' چاہے اس نے زنا کیا ہو' چاہے چوری کی ہو''۔ حضرت ابوذرؓ نے تیسری بار پھر کہا: وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ؟ ''چاہے اس نے زنا کیا ہو اور چاہے چوری کی ہو؟'' آپؐ نے پھر فرمایا: ((وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ' عَلٰی رَغْمِ اَنْفِ اَبِیْ ذَرٍّ)) ''چاہے اس نے زنا کیا اور چاہے اس نے چوری کی ہو (تب بھی وہ جنت میں داخل ہو جائے گا)' چاہے ابوذر کو یہ پسند ہو یا نہ ہو''۔ اب پورے مجموعۂ احادیث کو چھوڑ کر صرف ایک حدیث کو لے لیا گیا تو اتنی خرابیاں پیدا ہوئیں۔

ایک دوسرا قول یہ ہے کہ اصل شے صرف تصدیق قلبی ہے' زبان سے اقرار بھی لازم نہیں ہے۔ بعض حالات ایسے ہو سکتے ہیں جن میں یہ بات صحیح ہو۔ چنانچہ قرآن مجید میں سورۃ المؤمن میں ایک مؤمن آلِ فرعون کا ذکر ہے: ﴿رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ یَکْتُمُ اِیْمَانَهٗ﴾ (المؤمن: ۲۸) ''آلِ فرعون میں سے ایک مؤمن شخص جو اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھا''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا معاملہ فرعون کے لیے اس قدر مشکل تھا کہ اگرچہ وہ سمجھتا تھا کہ میں تو مالک الملک ہوں' قادر مطلق ہوں' پھر بھی وہ محسوس کر رہا تھا کہ اب اگر میں نے موسیٰ (علیہ السلام) کے خلاف کوئی قدم اٹھایا تو ہو سکتا ہے کوئی بلوا ہو جائے' کوئی فساد پیدا ہو جائے' کوئی ہنگامہ پیدا ہو جائے' لہٰذا پہلے وہ درباریوں کے سامنے یہ بات رکھ رہا ہے کہ تم ذرا مجھے اجازت دو کہ میں موسیٰ کو قتل کر دوں۔ اِس موقع پر درباریوں میں سے ایک باعزیمت شخص جو ابھی تک اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے'

(۱) صحیح البخاری' کتاب اللباس' باب ثیاب البیض۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب من مات لا یشرك باللّٰہ شیئا دخل الجنة.....

کھڑے ہوئے اورانہوں نے ایسی دھواں دار تقریر کی جو بلاغت وفصاحت کا ایک اعلیٰ ترین نمونہ ہے۔قرآن مجید میں کسی رسول اور نبی کی تقریر بھی اتنی مفصل نقل نہیں ہوئی ہے جتنی اس ''رجلٌ مؤمنٌ من آل فرعون'' کی تقریر نقل ہوئی ہے۔انہوں نے حاضرین کے سامنے ایسا سماں باندھا کہ فرعون کو بس کرنا پڑی اوراس نے کہا: ﴿مَا اُرِیْکُمْ اِلَّا مَا اَرٰی وَمَا اَھْدِیْکُمْ اِلَّا سَبِیْلَ الرَّشَادِ﴿۲۹﴾﴾ (المؤمن) ''میں تو تم لوگوں کو وہی رائے دے رہا ہوں جو مجھے مناسب نظر آتی ہے اور میں اسی راستے کی طرف تمہاری راہنمائی کرتا ہوں جو ٹھیک ہے''۔اب دیکھئے کہ اگر اُن مؤمن آلِ فرعون کی اس واقعہ سے پہلے اسی حالت میں وفات ہو جاتی تو انہیں کیسے مسلمان مانا جاتا! لیکن یہ ایک امکانی صورت ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھ دی۔

اس ضمن میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث بھی مروی ہے کہ: اَنَّ النَّبِیَّ ﷺ وَمُعَاذٌ رَدِیْفُهٗ عَلَی الرَّحْلِ ''ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ سواری پر بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ آپؐ کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے''۔اس موقع پر آپؐ نے تین بار فرمایا: ((یَا مُعَاذُ)) ''اے معاذ!'' انہوں نے تین بار ہی جواب دیا: لَبَّیْکَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ وَسَعْدَیْکَ اب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ((مَا مِنْ اَحَدٍ یَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حَرَّمَهُ اللّٰهُ عَلَی النَّارِ))(۱) ''جو شخص بھی دل کی گہرائی اور صداقت سے یہ گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر جہنم کی آگ کو حرام کر دے گا''۔اس حدیث میں شہادت کے ساتھ قلبی یقین کا بھی ذکر ہے' لہٰذا یہ ایمان صرف قانونی ایمان نہیں' بلکہ قلبی ایمان ہے اور رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ ایسی شہادت دینے والے پر اللہ تعالیٰ جہنم کی آگ کو حرام کر دے گا۔oo

(حدیثِ جبریلؑ پر ہماری گفتگو آئندہ نشست میں جاری رہے گی۔)

اقول قولی هذا واستغفر الله لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلماتoo

(مرتب: طارق اسماعیل ملک)

---

(۱) صحیح البخاری' کتاب العلم' باب من خص بالعلم قوماً دون قوم کراهیة ان لا یفهموا۔ وصحیح مسلم' کتاب الایمان' باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعًا۔

(١) صحيح البخارى،كتاب قلم، باب من غض بالعلم قوماً دون كراهية ان لا يفهموا۔ وصحيح مسلم، كتاب الايمان، باب الدليل على ان من مات على التوحيد دخل الجنة قطعاً

''ابلیس کی مجلس شوریٰ''
اور
حالاتِ حاضرہ

بانیٔ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ

بانیٔ تنظیم اسلامی و صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ نے ۹ نومبر ۲۰۰۶ء کو ''یوم اقبال'' کے موقع پر قرآن آڈیٹوریم لاہور میں علامہ اقبال کی شہرۂ آفاق نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا اجتماعی مطالعہ کراتے ہوئے اس کی تشریح بیان فرمائی تھی۔ رفیق مکرم مرزا ندیم بیگ نے اسے قدرے اختصار کے ساتھ مرتب کر کے تحریری صورت دی ہے' جسے مزید نوک پلک سنوارنے کے بعد ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

اقبال کی شخصیت اور فکر کا اجمالی جائزہ

اس حقیقت میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ شاعر مشرق علامہ محمد اقبال بیسویں صدی کے عظیم ترین اسلامی مفکر تھے۔ آپ ملت اسلامیہ کے احیاء اور دوبارہ عروج کے نہ صرف علمبردار بلکہ مبشر تھے۔ سب سے بڑھ کر وہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ (Islamic Renaissance) اور تشکیل جدید (Reconstruction) کے داعی تھے۔ واضح رہے کہ اسلام کی نشأۃِ ثانیہ اور ملتِ اسلامیہ کا دوبارہ عروج دو الگ الگ چیزیں ہیں' جو دورِ نبوی ﷺ اور دورِ خلافت راشدہ کے بعد کبھی بھی دنیا میں وحدت کی صورت میں نہیں رہیں۔

اسلام ابتدا میں عربوں کی قیادت میں ابھرا' کیونکہ نبیٔ کائنات حضرت محمد ﷺ اور خلفاءِ اربعہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین عرب تھے۔ اُس دَور میں اسلام کا غلبہ اور مسلمانوں کا عروج ایک وحدت کی صورت میں تھے۔ مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ خلافتِ راشدہ کے بعد یہ صورتِ حال باقی نہ رہی۔ چنانچہ اسلام کا تو زوال شروع ہوگیا مگر مسلمانوں کا عروج جاری رہا۔ ریاست کی سطح پر اسلام کے بنیادی حکم ''اَمْرُھُمْ شُوْرٰی بَیْنَھُمْ'' کی جگہ ''جس کی لاٹھی اس کی بھینس'' کے اصول نے لے لی۔ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہوگئی' گو حکمران مسلمان ہی تھے۔ اس دَور کو علامہ اقبال نے اپنے شہرۂ آفاق خطبہ الٰہ آباد میں ''عرب شہنشاہیت'' (Arab Imperialism) قرار دیا ہے۔ اس شہنشاہی دور میں جب شاہی محلات عیاشیوں کے اڈے بن گئے' رقص وسرود کی محفلیں سجنے لگیں اور شراب پینے پلانے کا سلسلہ اپنی انتہا کو پہنچ گیا' تو اللہ تعالیٰ نے عربوں کو مسلمانوں کی قیادت سے معزول کر دیا۔ اُمت کے زوال کا آغاز سب سے پہلے صلیبیوں کے ہاتھوں ہوا اور صلیبی جنگوں میں لاکھوں مسلمان بے دردی سے ہلاک کیے گئے۔ یروشلم ۱۰۹۹ء سے ۱۱۸۷ء تک (۸۸ برس) مسلمانوں کے ہاتھ سے نکلا رہا۔ پھر تاتاریوں کا طوفان آیا جس میں بلامبالغہ کروڑوں مسلمان تہہ تیغ کیے گئے اور ان کی کھوپڑیوں کے مینار بنائے گئے۔ تاہم بعد میں یہ معجزہ رونما ہوا کہ تاتاری' جنہوں نے مسلمانوں کو فتح کیا تھا' ان کو اسلام نے فتح کرلیا' یعنی وہ مسلمان ہوگئے: ؎

ہے عیاں فتنۂ تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

عربوں کے بعد اُمت مسلمہ کو دوبارہ عروج ترکوں کی زیر قیادت نصیب ہوا اور سولہویں صدی عیسوی میں دنیا کے نقشے پر عظیم ترین سلطنت عثمانیہ (Great Ottoman Empire) قائم ہوگئی' جو رومن امپائر کی طرح تین براعظموں پر پھیلی ہوئی تھی۔ جب ترکوں کے لچھن بھی عربوں کی طرح کے ہوگئے تو نتیجہ وہی نکلا کہ عظیم ترین سلطنت عثمانیہ کا نام ونشان مٹ گیا' حالانکہ ترکوں کے پاس ۴۰۰ سال سے خلافت چلی آ رہی تھی۔ پہلی

جنگ عظیم سے آج تک اسلام اور مسلمان دونوں ہی بدترین زوال سے دوچار ہیں۔

علامہ محمد اقبال دنیائے اسلام کے واحد مفکر ہیں جنھوں نے اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور ملت اسلامیہ کے دوبارہ عروج کی نوید سنائی ہے۔ علامہ کو اپنے فکر کی پختگی کے لیے مختلف منازل اور درجات سے گزرنا پڑا ہے' اور یہ کوئی اچنبھے والی بات نہیں ہے۔ دنیا کے کسی انسان یا مفکر کا یہ معاملہ نہیں ہوتا کہ ابتدا سے ہی اس کا فکر پختہ ہو۔ اسے لازماً منازل اور درجات سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس ضمن میں استثنائی صورت صرف اور صرف انبیاء ورُسل کی ہے' کیونکہ اُن کی حفاظت اور رہنمائی خود باری تعالیٰ فرماتا ہے۔

علامہ اقبال کی فکری زندگی کے چار اَدوار ہیں۔ انہوں نے اپنی شاعری کا آغاز ۱۸۹۴ء میں کیا اور ۱۹۰۵ء تک ان کی حیثیت ایک عام شاعر کی سی تھی۔ فنی اعتبار سے وہ اگرچہ دوسرے شعراء سے ممتاز تھے لیکن وہی ہجر و وصال' عشق و محبت اور گل و بلبل کی داستانیں ان کی شاعری کا موضوع تھا۔ اسی دور میں علامہ اقبال انڈین قوم پرست (Indian Nationalist) کے روپ میں سامنے آئے۔ ''بانگِ درا'' کی ایک نظم ''نیا شوالہ'' میں برہمن کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں ع ''آ' اِک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں'' یعنی ہندو اور مسلمان مل کر ایک نیا معبد تعمیر کریں۔ اس نظم کا ایک شعر ملاحظہ ہو:

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے!

اسی دور میں انہوں نے مشہور ''ترانہ ہندی'' بھی لکھا: ؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اِس کی' یہ گلستاں ہمارا

۱۹۰۵ء سے ۱۹۰۸ء تک تین سال علامہ نے یورپ کے دو ممالک برطانیہ اور جرمنی میں بسر کیے۔ اس دور میں ان کی ذات میں ایک عظیم انقلاب برپا ہوا۔ خود ایک مصرعے میں اپنے اندرونی انقلاب کی نشاندہی یوں فرماتے ہیں ع ''مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفانِ مغرب نے''۔ واقعتاً اقبال یورپ جانے سے قبل ویسے مسلمان نہیں تھے جیسے

یورپ جانے کے بعد نظر آتے ہیں۔ درحقیقت یہ ایک قدرتی ردّعمل (Natural Reaction) تھا اور اس کا ظہور اُسی صورت میں ہوتا ہے جب انسان کی ابتدائی تربیت میں دین کا عنصر موجود ہو' اور علامہ کی زندگی میں یہ عنصر ان کی نیک سیرت والدہ' صوفی منش والد اور راست باز استاد علامہ میر حسن کی وجہ سے تھا۔ علامہ نے یورپ میں قیام کے دوران یورپی فکر و فلسفے اور نظریات کا بغور مطالعہ اور مشاہدہ کیا اور اس کیفیت کا اظہار اِن الفاظ میں کیا کہ:۔

عذابِ دانشِ حاضر سے باخبر ہوں میں
کہ میں اس آگ میں ڈالا گیا ہوں مثلِ خلیلؑ

یورپ سے علامہ اقبال ایک مؤمن کا دل و دماغ اور فکر لے کر پلٹے تھے۔ ان کی بصیرت (vision) میں اس قدر گہرائی اور وسعت پیدا ہوگئی تھی کہ وہ جان گئے کہ :ع ''فرنگ کی رگِ جاں پنجۂ یہود میں ہے''۔ وہ ایک دور اندیش اور صاحب بصیرت انسان تھے' جس کا اندازہ اس مصرعے سے ہوتا ہے کہ ع'' گاہ مری نگاہِ تیز چیر گئی دلِ وجود''۔

۱۹۰۸ء سے لے کر ۱۹۳۸ء تک تیس برس علامہ نے اگرچہ شاعری کو جاری رکھا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ ''مرا یاراں غزل خوانے شمردند'' یعنی لوگوں نے خواہ مخواہ مجھے شاعر سمجھ لیا ہے اور علامہ نے اس پر شکوہ کا اظہار کیا کہ۔

ہر کسے از ظنِ خود شد یارِ من
از درونِ من نجست اَسرارِ من

یعنی ہر کوئی اپنے خیال میں میرا دوست بنا ہوا ہے' مگر کوئی میرے اندر جھانک کر نہیں دیکھتا کہ میرے من میں کیا ہے۔

اقبال اپنی زندگی کے اِن آخری تیس سالوں میں قرآن کے ''شارح'' اور ''داعی'' بن کر سامنے آتے ہیں اور اُمت کو متوجہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

خوار از مہجوریٔ قرآں شدی
شکوہ سنج گردشِ دوراں شدی

اور:۔

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

جہاں تک دینِ حق کے اسرار و رموز، حقائق و معارفِ ایمانی اور علم و حکمت قرآن کی ترجمانی کا تعلق ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس نسبت سے علامہ رومیٔ ثانی تھے۔ علامہ نے مولانا روم کو اپنا شیخ تسلیم کیا اور ''پیرِ رومی'' کے ساتھ بحیثیت ''مریدِ ہندی'' ان کے مکالمات ان کے کلام کی زینت ہیں۔ وہ اپنے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ع

''برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است''

۱۹۰۸ء سے اقبال نے اپنے کلام کے ذریعے قرآن حکیم کی شرح و ترجمانی اور دعوتِ قرآنی کے ساتھ ساتھ ملت کے احیاء کا نعرہ اور نوید جاں فزا، اسلام کی نشاۃِ ثانیہ کی بشارتیں اور اس کے لیے فکری مواد بھی مہیا کیا اور مغربی فکر کا پردہ بھی چاک کیا۔ اس کے ساتھ ساتھ انسانی حاکمیت کی خباثت اور اس کے شرک ہونے کا برملا اظہار کیا اور حاکمیت ربّ کا اعلان کیا:۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی باقی بتانِ آزری

علامہ محمد اقبال نے جس طرح مغربی معیشت کے تار و پود بکھیرے اور بینکنگ سسٹم کی لعنت سے عوام کو باخبر کیا یہ انہی کا خاصہ ہے:۔

ایں بنوک ' ایں فکرِ چالاکِ یہود
نورِ حق از سینۂ آدم ربود
تا تہ و بالا نہ گردد ایں نظام
دانش و تہذیب و دیں سودائے خام

یعنی یہ بینک یہود کے دھوکہ دینے والے فکر کا نتیجہ ہیں اور انہوں نے قلبِ انسانی کو نورِ حق سے محروم کر دیا ہے، اور جب تک بینکوں کا نظام تلپٹ نہیں کیا جاتا، کہاں کی دانش، کون سی

کے قول و فعل میں تضاد سے دل برداشتہ ہو کر سیاست سے کنارہ کشی اختیار کر کے انگلینڈ چلے گئے تھے۔ علامہ نے محمد علی جناح کی قلب ماہیت کر دی' چنانچہ اس سے پہلے وہ ہندو مسلم اتحاد کے داعی تھے' مگر اب وہ دو قومی نظریے کے علمبردار بن گئے۔ یہی وہ موڑ ہے جس کے بعد وہ محمد علی جناح سے قائداعظم بن گئے۔

۲۱/اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال اس دارِ فانی سے کوچ فرما گئے۔ اُس دن قائداعظم کلکتہ میں مسلم لیگ کے ایک بہت بڑے جلسہ میں شریک تھے۔ جب علامہ کے انتقال کی خبر ملی تو جلسہ کا رنگ بدل گیا اور وہ علامہ کے انتقال کی وجہ سے محض ایک تعزیتی جلسہ بن کر رہ گیا۔ اس موقع پر قائداعظم نے علامہ کے بارے میں جو الفاظ کہے وہ انتہائی توجہ کے طالب ہیں۔ انہوں نے کہا:

The sorrowful news of the death of Dr. Sir Muhammad Iqbal had plunged the world of Islam in gloom and mourning. Sir Muhammad Iqbal was undoubtedly one of the greatest poets, philosophers and seers of humanity of all times. ..... To me he was a personal friend, philosopher and guide and as such the main source of my inspiration and spiritual support.

''ڈاکٹر سر محمد اقبال کی وفات کی افسوسناک خبر نے دنیائے اسلام کو گہرے رنج اور افسوس میں مبتلا کر دیا ہے۔ سر محمد اقبال بلاشبہ ایک عظیم شاعر' فلسفی اور ہمہ وقت صاحب بصیرت انسان تھے..... وہ میرے ذاتی دوست' فلسفی اور رہنما تھے اور میرے لیے تشویق' فیضان اور روحانی قوت کا سب سے بڑا ذریعہ تھے۔''

واضح رہے کہ یہ الفاظ قائداعظم محمد علی جناح کے علامہ اقبال کے بارے میں ہیں اور وہ کوئی مبالغہ آرائی کرنے والے شخص نہیں تھے بلکہ اپنے ایک ایک لفظ کو جانچ تول کر بولتے تھے۔ انہوں نے مزید کہا:

If I live to see the ideal of a Muslim State being achieved in india, and then offered to make a choice between the works of Iqbal and the rulership of the Muslim State, I would perfer the former.

''اگر میں ہندوستان میں ایک مثالی اسلامی ریاست کے حصول تک زندہ رہا اور اُس وقت مجھے یہ اختیار دیا گیا کہ میں اقبال کے افکار و اشعار اور اس مسلم ریاست کی سربراہی میں سے ایک کا انتخاب کروں تو میں اوّل الذکر کو ترجیح دوں گا۔''

علامہ اقبال کی زندگی کا ایک گوشہ جو ہر آنکھ سے مخفی ہے' وہ یہ ہے کہ وہ ۱۹۳۲ء سے ۱۹۳۵ء کے دوران ایک ایسی جماعت کے قیام کے لیے کوشاں رہے تھے جو اسلام کے احیاء اور اس کی نشأۃِ ثانیہ کا کام کر سکے' حالانکہ اس عرصہ میں مسلم لیگ موجود تھی اور وہ اس کے رکن تھے۔ دراصل وہ یہ محسوس کرتے تھے کہ مسلم لیگ کی عوامی تحریک کے نتیجے میں ایک مسلم ریاست تو قائم ہو جائے گی مگر اس کے ذریعے اسلامی ریاست کے قیام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا اور یہ اُسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ جب حقیقی مسلمانوں (Practicing Muslims) پر مشتمل ایک جماعت قائم کی جائے' جس کے اراکین پہلے اپنے اوپر اسلام کو نافذ کریں اور پھر میدانِ عمل میں آئیں۔ علامہ چاہتے تھے کہ وہ جماعت بیعت اور امارت کی مسنون بنیاد پر قائم ہو' انتخابی کشاکش اور ووٹوں کی بھیک کی تگ و دَو سے مبرا ہو' وہ خالصتاً اسلامی' انقلابی جماعت ہو اور اس کا طریق کار ''منہج انقلابِ نبویؐ'' سے ماخوذ ہو۔ کیونکہ وہ یہ جانتے تھے کہ محض جمہوری جدوجہد کے نتیجے میں معاشرے میں اسلام کا بالفعل قیام آسان کام نہیں۔

راقم نے علامہ اقبال کے ساتھ اپنی نسبت کے حوالے سے ایک لقب ''یکے از رگ ہائے سازِ اقبال'' اختیار کیا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اقبال اپنے آخری ایام میں بہت فکر مند تھے' کیونکہ وہ کہتے تھے کہ اب میرا وقت قریب آ چکا ہے مگر مجھے اپنا کوئی جانشین نظر نہیں آ رہا جو میرے مشن کو لے کر آگے بڑھ سکے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ ؎

چنگ را گیرید از دستم کہ کار از دست رفت
نغمہ ام خوں گشت و از رگہائے ساز آید بروں

''اے لوگو! اب میرے ہاتھ سے یہ ساز لے لو کہ میرا کام میرے ہاتھ سے نکل کر اس ساز میں منتقل ہو چکا ہے۔ میرا نغمہ خون بن چکا ہے اور یہ اب ان تاروں سے خود بخود باہر نکلے گا۔''

چنانچہ اقبال کے حوالے سے بہت سے لوگوں نے علمی اور فکری خدمات سرانجام دی ہیں اور یہ سب احباب ''از رگ ہائے ساز آید بروں'' کے مصدق ہیں اور میں اپنے آپ کو بھی ''یکے از رگ ہائے سازِ اقبال'' قرار دیتا ہوں' یعنی میں اقبال کے ساز کے تاروں میں سے ایک تار ہوں۔

''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا مطالعہ

اقبال کی شخصیت اور فکر کے اجمالی تذکرے کے بعد اب ہم علامہ اقبال کی شہرۂ آفاق نظم ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یہ نظم ان کے آخری ایام کی نظموں میں سے ایک ہے اور یہ درحقیقت ان کے عمرانی فکر (social thought) کی معراج ہے۔ تقریباً ۸۰ سال قبل لکھی گئی اس نظم میں علامہ نے ابلیس کی ایک مجلس شوریٰ کا نقشہ کھینچا ہے' جس میں آج کے تمام حالات کا نقشہ بھی پوری طرح موجود ہے۔ نظم کے ابتدائی اشعار صدر مجلس ابلیس کے افتتاحی خطاب پر مبنی ہیں۔ ابلیس کہتا ہے کہ ؎

یہ عناصر کا پرانا کھیل! یہ دنیائے دوں!
ساکنانِ عرشِ اعظم کی تمناؤں کا خوں!

دُنیا کی حقیقت کیا ہے؟ کیا یہ عناصر (elements) کا مجموعہ ہے؟ اس اعتبار سے دنیا خالص مادہ ہے اور بہت ہلکی اور گھٹیا شے ہے۔ دنیا کے گھٹیا ہونے کا تذکرہ علامہ نے جواب شکوہ میں ان الفاظ میں کیا ہے کہ ؎

غافل آداب سے سکانِ زمیں کیسے ہیں!
شوخ و گستاخ یہ پستی کے مکیں کیسے ہیں!

ابلیس کہتا ہے کہ جب رب تعالیٰ نے انسان کو اپنا خلیفہ بنانے کا اعلان کیا تو اس اعلان سے ساکنانِ عرش یعنی فرشتوں کی تمناؤں اور آرزوؤں کا خون ہو گیا' کیونکہ وہ خلافت کے متمنی تھے۔ انہوں نے ربّ العزت کے اعلانِ خلافت کے جواب میں عرض

کیا کہ ہم تیری تسبیح اور تقدیس میں لگے ہوئے ہیں اور ہم ہر دم حاضر ہیں۔

اقبال بزبان ابلیس دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ ؎

اس کی بربادی پہ آج آمادہ ہے وہ کارساز
جس نے اس کا نام رکھا تھا جہانِ کاف و نوں

خالق کائنات نے اس جہان کو ''کن فیکون'' کے الفاظ کی ادائیگی سے تخلیق کیا تھا' مگر آج وہی خالق اس کی بربادی اور تباہی پر آمادہ ہے۔اس شعر میں دنیا کی تباہی سے مراد دونوں مفہوم ہو سکتے ہیں۔ایک یہ کہ قیامت کی ہولناک تباہی آنے والی ہے اور خیر اور شر کی ازل سے شروع ہونے والی جنگ اختتام پذیر ہونے کو ہے۔اقبال نے اسی کیفیت کو ایک اور مقام پر ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ ؎

دنیا کو ہے پھر معرکۂ روح و بدن پیش
تہذیب نے پھر اپنے درندوں کو ابھارا
اللہ کو پامردیٔ مؤمن پہ بھروسہ
ابلیس کو یورپ کی مشینوں کا سہارا

دوسرا مفہوم یہ ہو سکتا ہے کہ ابلیس کے خیال میں دنیا میں شرک' الحاد' سود' انسانی حاکمیت' بے حیائی' فحاشی' عریانی اور جہالت پر مبنی جو کھیل تماشا اس (ابلیس) نے جمایا ہے' معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کا خاتمہ ہونے کو ہے۔

اگلے اشعار میں ابلیس لاف زنی کرتے ہوئے اپنے کارناموں کی تفصیل بتا رہا ہے۔وہ کہتا ہے کہ: ؎

میں نے دکھلایا فرنگی کو ملوکیت کا خواب
میں نے توڑا مسجد و دیر و کلیسا کا فسوں

یعنی میں نے فرنگیوں کو یہ بتایا کہ دنیا کو فتح کرو اور چھوٹے اور کمزور ملکوں کو اپنے زیر نگیں کر لو۔یہ نظام ایک لمبے عرصے تک چلتا رہا مگر بعد میں میرے چیلوں نے اس کی بہتر صورت ڈھونڈ لی۔ چنانچہ وہ ملکوں کو بزورِ قوت فتح کرنے کی بجائے انہیں نئے

مالیاتی استعمار کے تحت لے آئے جو سود پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام (Interest based capitalism) ہے اور اس نظام نے دنیا کو ملٹی نیشنل کمپنیوں' ورلڈ بینک' آئی ایم ایف اور سودی بینکاری کے نظام کے ذریعے اپنے آہنی شکنجوں میں جکڑ لیا ہے۔ یہ طریقہ پہلے طریقوں سے بہتر ثابت ہوا' دُنیا پر حملہ آور ہونے سے شدید خونریزی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں عوام کے اندر ردّعمل' نفرت اور انتقام کے جذبات جنم لیتے ہیں۔ جبکہ ملکوں کو مالیاتی امپیریلزم کے تحت لانے سے ایسا کچھ نہیں ہوتا۔

دوسرے مصرعے میں ابلیس اس بات پر خوشی کا اظہار کر رہا ہے کہ میں نے دنیا کے اجتماعی نظام سے مسجد' دیر' گرجا اور مندر کو بے دخل کر دیا ہے اور دنیا کو لادینیت کی راہ پر ڈال دیا ہے۔ سیکولرازم کا اصل و اصول ہی مذہب اور ریاست کی علیحدگی ہے۔ اسے یہ ہرگز گوارا نہیں کہ مذہب کے احکامات اور تعلیمات کو قانون سازی کی بنیاد بنایا جائے۔ ہاں انفرادی سطح پر ہر شخص کو آزادی ہے کہ وہ اپنے مذہب پر عمل پیرا ہو' اس کی اشاعت کرے اور عبادت گاہیں تعمیر کرے۔ سیکولر ریاست میں ہندو اور سکھ اپنے ٹمپل اور گوردوارے بنا سکتے ہیں' عیسائی گرجے تعمیر کر سکتے ہیں' مسلمان مسجدیں آباد کر سکتے ہیں' وہاں تمام مذاہب کو کھلی آزادی ہے۔ حکومت کو اس سے غرض نہیں ہوتی کہ کوئی ایک خدا کو پوجتا ہے یا ہزار خداؤں کو۔ کوئی چاہے درختوں' سانپوں' بتوں' آگ' دیوی' دیوتاؤں یا سورج چاند کو خدا مانے' بھجن گائے' گرو گرنتھ صاحب کے سامنے ماتھا ٹیکے یا پنج وقتہ نماز پڑھے' کسی کو کوئی اعتراض نہیں' ہر کسی کو کھلی مذہبی آزادی ہے۔ امریکہ میں مسجدیں بنانے' نمازیں پڑھنے اور روزے رکھنے پر کوئی پابندی نہیں' بلکہ ہر سال وائٹ ہاؤس میں مسلمانوں کے لیے افطاری کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ امریکہ اور برطانیہ میں عید کے موقع پر ڈاک کے یادگاری ٹکٹ بھی جاری کر دیے جاتے ہیں۔ مگر ان ملکوں کا موقف یہ ہے کہ ہم اجتماعی نظام میں کسی مذہب' قانونِ شریعت اور کسی خدائی ہدایت کو داخل نہیں ہونے دیں گے۔

عالمِ کفر اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہے کہ اسلام ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے' جو اپنا

غلبہ چاہتا ہے۔ چنانچہ اس اندیشے سے کہ کہیں یہ نظام دنیا میں قائم اور نافذ نہ ہو جائے' کفریہ طاقتوں نے باہمی اتحاد کر رکھا ہے۔ اسلام کے خلاف ان کا ایجنڈا ''War within Islam'' ہے' جس کے تحت وہ اسلام کے مذہبی تصور کے حامل عناصر کو اُن لوگوں کے ساتھ ٹکرا دینا چاہتے ہیں جو اسلام کو دین یا بحیثیت نظامِ حیات مانتے ہیں۔ سیکولرازم اجتماعی نظام سے اللہ تعالیٰ کو بے دخل کرنے کا نام ہے۔ افسوس کہ یہ نظام آج پوری دنیا کو اپنی گرفت میں لے چکا ہے۔ ماضی میں انسان کی سب سے بڑی گمراہی یہ تھی کہ اللہ وحدہ لاشریک کے ساتھ خود ساختہ چھوٹے خداؤں کو شریک ٹھہراتا تھا۔ مشرکین عرب بھی بڑا خدا تو اللہ تعالیٰ ہی کو مانتے تھے مگر اس کے ساتھ ساتھ چھوٹے چھوٹے خداؤں کی بھی پرستش کرتے تھے۔

دورِ حاضر میں یہ شرک اپنی ہیئت بدل چکا ہے اور اب اس کی حقیقت یہ ہے کہ ذاتی حیثیت میں جسے چاہو بڑا ربّ مانو' مگر ریاست کے سیاسی' سماجی اور معاشی نظام (Socio Politico Economic System) میں اللہ کی حاکمیت اعلیٰ نہیں ہوگی' بلکہ حاکمیت اعلیٰ کا اختیار عوام کا ہوگا۔ گویا عوام کے نمائندے چھوٹے چھوٹے ''خدا'' بن کر یہ نظام چلائیں گے۔ اس مقصد کے لیے انتخابات ہوں گے اور اس کے نتیجے میں جو پارلیمنٹ وجود میں آئے گی وہ اکثریت کے ساتھ جیسا چاہے قانون بنا دے۔ اُسے اختیار ہے کہ وہ شراب کی اجازت دے دے یا اس پر پابندی لگا دے۔ اگر وہ پابندی لگاتی بھی ہے تو یہ پابندی اس وجہ سے نہیں ہوگی کہ مذہب اسے حرام قرار دیتا ہے' بلکہ اس لیے ہوگی کہ لوگوں کا فائدہ اس میں ہے۔ پارلیمنٹ چاہے تو ہم جنس پرستوں کی شادیوں کی اجازت دے دے' اُسے اختیار ہے' اور یہی آج کل ''روشن خیالی'' کا تقاضا بھی سمجھا جا رہا ہے۔ امریکی صدر بُش جو اس وقت ابلیسیت اور دجالیت کا سب سے بڑا علمبردار ہے اُس کا نعرہ بھی یہی ہے کہ Sovereignty belongs to us اور We are sovereign یعنی حاکمیت ہمارا حق ہے اور ہم حاکم ہیں۔ یہ ہے آج کے سیکولرازم اور روشن خیالی کا اصل چہرہ۔ ابلیس مزید کہتا ہے:۔

میں نے ناداروں کو سکھلایا سبق تقدیر کا
میں نے منعم کو دیا سرمایہ داری کا جنوں!
کون کر سکتا ہے اُس کی آتشِ سوزاں کو سرد
جس کے ہنگاموں میں ہو ابلیس کا سوزِ دروں

ہم نے دنیا کے کمزور طبقات یعنی کسان، ہاری، مزدور اور ناداروں کو یہ چکمہ دیا کہ تم جو تنگ دست ہو، محرومیوں کا شکار ہو، تمہیں آسائشیں میسر نہیں یا تم ظلم کی چکی میں پس رہے ہو، یہ اب تمہاری قسمت اور تمہارا مقدر ہے۔ ہم نے یہ سب کچھ اس لیے سکھایا تاکہ نادار اور غریب طبقات ہمارے ابلیسی نظام کے خلاف کسی بغاوت پر آمادہ نہ ہو جائیں اور کوئی تحریک نہ چلا دیں۔ دوسرے مصرعے میں کہا کہ میں نے سرمایہ داروں، جاگیرداروں اور دولت مندوں کو یہ پٹی پڑھائی کہ کہیں پاگل پن میں اپنی دولت کو ضرورت مندوں میں خرچ نہ کر دینا، بلکہ اسے جمع کرو، سنبھال کر رکھو، تاکہ تمہارے پاس دولت کے انبار لگ جائیں۔ ابلیس نے ان کے دل و دماغ میں جو یہ آگ بھڑکائی ہے اسے کون ٹھنڈا کر سکتا ہے؟

اگلے شعر میں ابلیس اپنے ابلیسی نظام کے استحکام اور دوام کے بارے میں یقین و اعتماد کا اظہار کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کوئی بھی ہمارے نظام کا بال بیکا نہیں کر سکتا: ؎

جس کی شاخیں ہوں ہماری آبیاری سے بلند
کون کر سکتا ہے اس نخلِ کہن کو سرنگوں

ابلیس تحدی کے انداز میں کہتا ہے کہ دنیا میں کون سی طاقت اور قوت ہے جو ہمارے اس کھیل کو گزند پہنچا سکے، کون ہے جو ہمارے نظام کو چیلنج کر سکے؟ یہی انداز موجودہ دور میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کا ہے، جس نے افغانستان اور عراق پر حملے کے وقت نعرہ لگایا تھا کہ ''فتح ہمارا مقدر ہے''۔ یعنی کون ہے جو ہمیں للکار سکے، ہمارے نظام کے الٹ چل سکے؟ دیکھ لو، ہم نے اپنے باغی صدام حسین کو اس کی بغاوت کی پاداش میں پھانسی دے دی، لہٰذا جو بھی ہمارے حکم کی سرتابی کرے گا ہم اُسے پتھر کے زمانے میں پہنچا کر دم لیں گے۔ افغانستان میں طالبان کے برسر اقتدار آنے سے شرعی قوانین کے

نفاذ کا کچھ امکان پیدا ہوا تھا' تو پوری دنیائے کفر نے مل کر اسے ختم کر کے دم لیا۔ اس شعر پر ابلیس کا افتتاحی صدارتی خطاب ختم ہو جاتا ہے۔ اب اس کا پہلا مشیر گویا ہوتا ہے: ؎

اس میں کیا شک ہے کہ محکم ہے یہ ابلیسی نظام
پختہ تر اس سے ہوئے خوئے غلامی میں عوام

وہ کہتا ہے کہ ہم نے لبرل ڈیموکریسی' عوامی حاکمیت' لادینیت' سودی نظام پر مبنی سرمایہ دارانہ نظام اور بے حیائی اور فحاشی یعنی نام نہاد روشن خیالی پر مبنی معاشرتی یا خاندانی نظام کو استحکام بخشا ہے اور عوام کے اندر اس کے خلاف تحریک کی بجائے اس کو برداشت کرنے کے جراثیم پیدا کر دیے ہیں۔ اب انسانوں کی اکثریت کسی طور پر اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہونے کو تیار نہیں ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ علامہ اقبال نے ابلیسی نظام کے ایک ایک گوشے کو دنیا پر آشکار کر کے رکھ دیا ہے۔ علامہ نے موجودہ سیاسی نظام پر ان الفاظ میں پھبتی چست کی کہ ؎

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں
نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے
الیکشن' ممبری' کونسل' صدارت
بنائے خوب آزادی نے پھندے

مغربی جمہوریت پر ان الفاظ میں تنقید کی: ؎

اس راز کو اک مردِ فرنگی نے کیا فاش
ہر چند کہ دانا اسے کھولا نہیں کرتے
جمہوریت اک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

ابلیسیت کے معاشرتی نظام کے غلبے کے بارے میں فرمایا: ؎

یہ کوئی دن کی بات ہے' اے مردِ ہوشمند!
غیرت نہ تجھ میں ہوگی' نہ زن اوٹ چاہے گی

مغربی معاشی نظام جو سود پر مبنی تجارت پر مشتمل ہے' کے بارے میں کہتے ہیں: ؎

ظاہر میں تجارت ہے' حقیقت میں جوا ہے
سود ایک کا' لاکھوں کے لیے مرگِ مفاجات

پہلا مشیر اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: ؎

ہے ازل سے ان غریبوں کے مقدر میں سجود
ان کی فطرت کا تقاضا ہے نمازِ بے قیام

یعنی خوئے غلامی کی وجہ سے عوام کے اندر تحریکی جذبات ختم ہو گئے ہیں۔ اب وہ ہر قسم کے ظلم و ستم اور استحصال کو اپنا مقدر سمجھتے ہیں۔ چنانچہ استحصالی نظام کے سامنے سجدہ میں گرے ہوئے ہیں۔ یہ اسی غلامانہ سوچ کا نتیجہ ہے کہ آج بعض مسلمان کہتے پھرتے ہیں کہ سود کے بغیر دنیا کا کوئی معاشی نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح عورت کو بے پردہ کیے بغیر معاشرہ ترقی کی راہ پر گامزن نہیں ہو سکتا' وغیرہ وغیرہ۔

آرزو اوّل تو پیدا ہو نہیں سکتی کہیں
ہو کہیں پیدا تو مر جاتی ہے یا رہتی ہے خام!

ظالمانہ اور استحصالی نظام کے تابع رہتے ہوئے عوام کے کسی طبقے میں اعلیٰ خیالات' اچھے نصب العین یا کسی اونچے آدرش کے پیدا ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ یہ نظام انسان کو حیوانیت کی سطح پر لے آیا ہے اور پیسے کا حصول اور ظاہری نمود و نمائش انسان کے اہداف بن چکے ہیں۔ ایسے میں اگر کبھی کوئی آرزو یا نصب العین پیدا ہو بھی جائے تو وہ خود دب کر ختم ہو جاتا ہے۔ اس حقیقت کو اقبال نے ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا کہ ؎

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ

اب ابلیس کا مشیر ایک اور تلخ حقیقت سے پردہ اُٹھاتا ہے کہ ؎

یہ ہماری سعیٔ پیہم کی کرامت ہے کہ آج
صوفی و ملا ملوکیت کے بندے ہیں تمام!

خلافت راشدہ کے اختتام پر ہمارے ہاں جس نظام نے جنم لیا' اس میں صوفی اور پیشہ ور ملاّ واقعتاً ملوکیت کے استحصالی نظام کے معاون و مددگار تھے اور اب بھی ہیں۔ ملوکیت کی حمایت و پشت پناہی کی ایک صورت یہ بھی تو ہے کہ آدمی کو اس سے کوئی غرض نہ ہو کہ معاشرے میں کیا ہو رہا ہے۔ شیطان ننگا ناچتا ہے تو ناچتا رہے۔ اللہ کے احکامات پامال ہوتے ہیں تو ہوتے رہیں۔ سنتوں اور شعائر اسلامی کا تمسخر اور استہزا ہوتا ہے تو ہوتا رہے۔ وہ بس مسجد یا محراب میں بند ہو کر اللہ ہو' اللہ ہو کی ضربیں لگاتا جائے' اپنا اور اپنے مریدین کا تزکیہ کرے' فرائض دینی کو نظر انداز کرتے ہوئے سنتوں اور نوافل کے التزام میں اپنی زندگیاں کھپا دے۔ اسے فکر بس اس بات کی ہو کہ اس کے مراتب اور مقامات کیا ہیں۔ یعنی:

عجم کے خیالات میں کھو گیا
یہ سالک مقامات میں کھو گیا

اور:

حقیقت خرافات میں کھو گئی
یہ اُمت روایات میں کھو گئی

یا:

احوال و مقامات پہ موقوف ہے سب کچھ
ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور!
الفاظ و معانی میں تفاوت نہیں لیکن
ملا کی اذاں اور' مجاہد کی اذاں اور!

صوفی نے حالات سے پردہ پوشی کی تو ملاّ نے تمام غلط معاملات سے چشم پوشی کی راہ اختیار کی۔ سب سے بڑی غلطی یہ ہوئی کہ فقہاء نے متغلب یا غاصب کی حکومت کے جائز ہونے کا فتویٰ جاری کر دیا۔ یعنی اگر کوئی شخص بزورِ قوت اقتدار پر قابض ہو جائے تو کوئی

شخص اس کے خلاف بغاوت نہیں کرسکتا' جب تک کہ وہ آمر کفر بواح کا حکم نہ دے۔ ذرا سوچیے' غاصب اور آمر کو کفر کا حکم دینے کی کیا ضرورت ہے؟ وہ تو محل بنائے گا' تاج محل کھڑے کرے گا' عیش وعشرت کی زندگی گزارے گا' عوام کا استحصال کرے گا' مزدور کے خون پسینے سے کشید کی ہوئی شراب سے لطف اندوز ہوگا۔ کیا اس کے دماغ میں خلل ہے کہ وہ عوام کو کفر کا حکم دے؟ افسوس کہ ایسے حکمران کے خلاف بغاوت نہ کرنے کا تصور سُنّی اسلام کی رگوں میں بھر گیا جس کی وجہ سے پوری سُنّی دنیا سُن ہوئی پڑی ہے۔ صرف شیعہ اسلام اس تصور سے مبرا ہے۔ اُن کے نزدیک اگر معتد بہ قوت نہیں ہے اور بغاوت نہیں ہوسکتی تو بھی چاہیے کہ آدمی ایسی حکومت کو ذہناً تسلیم نہ کرے' بلکہ اس سے نفرت کرے' مگر سنّیوں میں ''شیخ الاسلام'' کے خطابات والے بیٹھے ہیں اور ان کی موجودگی میں دین کی دھجیاں بکھیری جارہی ہیں اور ظالمانہ اور استحصالی نظام پورے دھڑلے سے چل رہا ہے۔

علماء نے مزید غلطی یہ کی کہ علم الکلام کے مسائل کو بحث ومباحثہ کا موضوع بنا دیا۔ ان موضوعات پر بحث وتمحیص کا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلمانوں میں عمل کا جذبہ سرد پڑ گیا۔ لہٰذا اس تصور کو ابھارا گیا کہ جو بھی اقتدار میں آجائے اُسے تسلیم کرو' اس کی اطاعت کرو اور اُسے ''امیر المؤمنین'' جانو۔ اس کے خلاف بغاوت اُسی صورت میں ہوسکتی ہے جب وہ کفر کا حکم دے۔

اُمت مسلمہ کے پہلے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے نہایت ہی اہم تجدیدی کام کیے تھے۔ اوّلاً موروثی بادشاہت کے تصور کا خاتمہ کیا۔ انہوں نے اپنے تقرر کے موقع پر کہا تھا کہ مجھے ایک شخص نے خلافت کے لیے نامزد کیا ہے اور میں اس نامزدگی کو تسلیم نہیں کرتا' ہاں عوام چاہیں تو خلافت قبول کرلوں گا۔ چنانچہ عوام کے اصرار اور رائے پر آپ نے خلافت کو قبول کیا۔ دوسرے انہوں نے جاگیرداری نظام کا قلع قمع کیا۔ چنانچہ خلیفہ بننے کے بعد پہلا کام یہی کیا کہ ان تمام دستاویزات کو منگوا کر خود اپنے ہاتھوں سے تلف کر دیا جو جاگیروں کی الاٹ منٹ پر مبنی تھیں۔ اس طرح ان کے دور میں جاگیرداری

نظام بھی ختم ہوگیا۔ افسوس کہ بعد میں پھر جاگیرداری (Land-lordism)' غیر حاضر زمینداری (Absentee land-lordism) اور موروثی بادشاہت کے غلط تصورات کو جائز قرار دے دیا گیا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون!)

ابلیس کا پہلا مشیر اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے:۔

طبعِ مشرق کے لیے موزوں یہی افیون تھی
ورنہ 'قوالی' سے کچھ کمتر نہیں 'علم کلام'

قوالی کی یہ خاصیت ہے کہ وہ آدمی کے قوائے عملی کو ختم کر کے اسے سر دھننے پر مجبور کر دیتی ہے۔ یہی معاملہ علم کلام کا ہے۔ علم کلام اور فلسفے میں ان مسائل پر گفتگوئیں ہوتی ہیں کہ اللہ کی صفات اُس کی ذات پر اضافی ہیں یا اس کی ذات کا جزو ہیں؟ اس کی صفات حادث ہیں یا قدیم ہیں؟ اس کائنات اور ربّ کے مابین کیا تعلق ہے؟ یہ ایسے لایحل مسائل ہیں جنہیں قرآن اور حدیث نے چھیڑا ہی نہیں۔ اگرچہ یہ مسائل اپنی جگہ اہم ہیں' مگر اِن کو عوامی بحث و مباحثہ کا موضوع بنالینا' ان پر بحثیں کرنا' مناظرے منعقد کرنا قوالی کے مترادف ہی تو ہے۔ تاریخ بتاتی ہے کہ جب ترکوں نے قسطنطنیہ کا محاصرہ کیا تو عیسائیوں کے علماء ''آیا صوفیا'' گرجا گھر میں اس پر بحث کر رہے تھے کہ سوئی کی نوک پر کتنے فرشتے آسکتے ہیں؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کے بعد بھی حضرت مریم علیہا السلام کنواری رہ گئی تھیں یا نہیں؟ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (عیسائی روایات کے مطابق) سولی چڑھنے سے قبل جو کھانا کھایا تھا اُس کھانے میں شامل روٹی خمیری تھی یا فطیری؟ عیسائی علماء میں یہ بحثیں ہو رہی تھیں اور باہر مسلمانوں کا لشکر شہر کا محاصرہ کیے ہوئے تھا۔ یہی تاریخ مسلمان علماء نے ہندوستان میں دہرائی۔ انگریز ہندوستان میں داخل ہو چکا تھا اور بنگال سے آگے بڑھ رہا تھا' نوابوں کی حکومتیں تہہ و بالا ہو چکی تھیں اور علماء یہ بحث کر رہے تھے کہ اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یا نہیں؟ (معاذ اللہ!) اگر نہیں بول سکتا تو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ نہیں' اور اگر بول سکتا ہے تو یہ شانِ خداوندی کے خلاف ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ دوسرا محمدؐ (ﷺ) بنانے پر قادر ہے یا نہیں؟ اگر قادر ہے تو محمد ﷺ بے نظیر تو نہ

ہوئے! اُدھر مسلمان ان موضوعات پر بحثیں کر رہے تھے' اُدھر انگریز پورے ہندوستان کو اپنے قبضے میں لا رہا تھا:

ہے طواف و حج کا ہنگامہ اگر باقی تو کیا
کند ہو کر رہ گئی مؤمن کی تیغ بے نیام!

ابلیس کا مشیر کہتا ہے کہ ہمارے ابلیسی نظام کو حج کے عظیم اجتماع سے کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں۔ کیونکہ اس اجتماع کی حیثیت ''ہجومِ مؤمنین'' کے سوا کچھ نہیں۔ مسلمانوں کی تلواریں کند ہو چکی ہیں اور وہ جذبۂ جہاد اور مستیٔ کردار سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ ان کے اعلیٰ طبقات کا حال یہ ہے کہ:

صوفی کی طریقت میں فقط مستیٔ احوال
ملّا کی شریعت میں فقط مستیٔ گفتار
شاعر کی نوا مردہ و افسردہ و بے ذوق
افکار میں سرمست' نہ خوابیدہ نہ بیدار
وہ مردِ مجاہد نظر آتا نہیں مجھ کو
ہو جس کے رگ و پے میں فقط مستیٔ کردار

قرآن حکیم سے دُوری کی وجہ سے مسلمان ہمہ گیر زوال سے دوچار ہیں۔ قرآن جو علمی اور عملی طور پر کبھی مؤمنین کے لیے تیغ کا کام کرتا تھا' اب مؤمن تارکِ قرآن ہو کر اُس تیغ سے محروم ہو چکا ہے۔ مسلمانوں کی قرآن حکیم سے دوری ابلیس اور اس کے نظام کے استحکام کے لیے حد درجہ اہمیت کی حامل ہے۔

کس کی نومیدی پہ حجت ہے یہ فرمانِ جدید؟
'ہے جہاد اس دَور میں مردِ مسلماں پر حرام!'

یہاں پر مشیر صدر مجلس ابلیس سے استفہامیہ انداز میں کہہ رہا ہے کہ کیا وجہ ہے کہ آپ پر نومیدی کی کیفیت طاری ہو رہی ہے اور آپ نے یہ مشاورتی اجلاس منعقد کیا ہے؟ جبکہ جہاد اِس دَور میں مردِ مسلمان کی زندگی سے خارج ہو چکا ہے۔ آپ کا ایجنٹ

غلام احمد قادیانی جہاد کی حرمت کا فتویٰ جاری کر چکا ہے۔ اور مسلمان اب جہاد کے مسئلے پر دفاعی پوزیشن اختیار کر چکا ہے۔

فتویٰ ہے شیخ کا یہ زمانہ قلم کا ہے
دنیا میں اب رہی نہیں تلوار کارگر!

مجلس شوریٰ کا دوسرا مشیر اپنے ساتھی پہلے مشیر کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ؎

خیر ہے سلطانیٔ جمہور کا غوغا کہ شر؟
تو جہاں کے تازہ فتنوں سے نہیں ہے باخبر

دنیا میں ابلیسیت کے نظام کو چیلنج کرنے کے لیے نئے نئے فتنے اُٹھ رہے ہیں' یعنی بادشاہت اور ملوکیت کے خلاف تحریکیں چل رہی ہیں اور سلطانیٔ جمہور کا غلغلہ ہے۔ چنانچہ فرانس اور روس میں بادشاہتوں کے نظام زمین بوس ہو چکے ہیں اور انقلابات نے دوسرے نظاموں کو جنم دے دیا ہے' آخر یہ کیا ہے؟ یہ ہمارے شیطانی نظام کے لیے مفید ہے یا نقصان دہ؟

پہلا مشیر اس سوال کا جواب دیتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ اس نظم کا شاہکار (master piece) حصہ ہے:

ہوں' مگر میری جہاں بینی بتاتی ہے مجھے
جو ملوکیت کا اک پردہ ہو کیا اس سے خطر!
ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر

میں نے پوری دنیا کو دیکھا ہوا ہے اور میری جہاں بینی مجھے یہ بتاتی ہے کہ تم جس جمہوریت کو ملوکیت کا خاتمہ سمجھ رہے ہو وہ حقیقت میں خاتمہ نہیں ہے بلکہ ملوکیت ہی کی ایک جدید شکل ہے' لہٰذا اس سے کسی قسم کا خطرہ محسوس نہ کرو۔

انسانوں کی حاکمیت کا تصور' خواہ یہ حاکمیت شخصی ہو یا اجتماعی' قرآن کی رو سے شرک ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل کی آیت ۱۱۱ میں فرمایا گیا: ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي

الْمُلْکِ﴾ یعنی ''حاکمیت (Sovereignty) میں اس کا کوئی شریک نہیں ہے''۔ حاکمیت جمہور بھی اتنا ہی بڑا شرک ہے جتنا کسی انسان کی انفرادی حاکمیت۔ فرعونیت' نمرودیت اور عوامی حاکمیت میں نوعیت کے اعتبار سے کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہے۔ بقول اقبال:۔

دیو استبداد جمہوری قبا میں پائے کوب
تو سمجھتا ہے یہ آزادی کی ہے نیلم پری!

انسانی حاکمیت کا تصور ایک نجاست ہے۔ یہ نجاست نظامِ ملوکیت میں ایک شخص یعنی بادشاہ کے سر پر ٹنوں کے حساب سے ہوتی تھی جبکہ آج اسے تولہ تولہ' ماشہ ماشہ کر کے عوام پر تقسیم کر دیا گیا ہے۔ ظاہر ہے نجاست تو نجاست ہی رہے گی۔ ابلیس نے انسان کو خودشناس اور خودنگر ہونے یعنی اپنے حقوق کی آگاہی پر بادشاہت کو جمہوریت کا لبادہ اوڑھا دیا ہے۔ اعلیٰ جمہوری تصورات پر مبنی ریاستوں کے قائم ہونے کے باوجود انسان کی خودشناسی اور خودنگری کا سفر ابھی جاری ہے اور انسان اب بھی کسی اعلیٰ نظام کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ یہ خودشناسی اور خودنگری محمد عربی ﷺ کی عطا کردہ ہے' جسے اقبال نے یوں بیان کیا ہے:۔

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو
آں کہ از خاکش بروید آرزو
یا ز نورِ مصطفیٰؐ او را بہاست
یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفیٰؐ است

یعنی دنیا میں جہاں کہیں نور نظر آتا ہے' کوئی خیر اور بھلائی دکھائی دیتی ہے یا لوگوں کے اندر کوئی امنگ اور امید کی کرن پیدا ہوتی ہے تو وہ نور محمد ﷺ کا مظہر ہے یا ابھی انسان اُس نور کی تلاش میں سرگرداں ہے۔

ابلیس کا پہلا مشیر مزید کہتا ہے:

کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ 'میر و سلطاں' پر نہیں ہے منحصر

یہ کوئی بادشاہ یا میر وسلطان ہی کا کام نہیں کہ وہ بادشاہت کریں' بلکہ کاروبارِ شہر یاری یعنی ملوکیت اور حکومت کی حقیقت ہی اور ہے' اور وہ کیا ہے؟ اس کی وضاحت اگلے شعر میں کی گئی کہ:

مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں' غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر!

خواہ اسمبلی' سینٹ' کانگریس' پرویز کا دربار ہو یا کسی بھی بادشاہ کی عدالت' خواہ جمہوریت ہو' یا ملوکیت' اس کی حقیقت یہ ہے کہ برسراقتدار طبقے کی نظر دوسروں کی کھیتیوں پر ہوتی ہے۔ ان کا کام لوگوں کو لوٹنا' ان کے حقوق کو غصب کرنا اور ان پر ظلم وستم کرنا ہوتا ہے۔ پہلے کئی کئی بادشاہتیں تھیں' اب پوری دنیا ایک ہی بادشاہت کی زد میں آ چکی ہے اور اس کا نام ''گلوبلائزیشن'' ہے۔ اس نظامِ بادشاہت میں ورلڈ بینک اور آئی ایم ایف کے ذریعے پوری دنیا کو سود کے شکنجے میں کسا جا چکا ہے اور انسان کے خون پسینے کی کمائیوں کو ہڑپ کیا جا رہا ہے۔ ستم ظریفی یہ ہے کہ یہ سب کچھ جمہوریت کے نام پر ہو رہا ہے۔

اگلے شعر میں مغرب کے دل فریب جمہوری نظام کی حقیقت کشائی کرتے ہوئے کہا گیا:

تو نے کیا دیکھا نہیں مغرب کا جمہوری نظام؟
چہرہ روشن' اندروں چنگیز سے تاریک تر!

آج ہم مسلمان بھی مغرب کے جمہوری نظام سے بہت متاثر ہیں' کیونکہ ہمارے سامنے اُس کا روشن چہرہ پیش کیا جاتا ہے۔ ہمیں اس سے متاثر ہونے کی بجائے اس نظام کی حقیقت سے آگاہی کی ضرورت ہے' وہ نظام کہ جس کے جمہوری لبادے کے اندر چنگیزیت بھری ہوئی ہے۔ گلوبلائزیشن تو دنیا کے خون کو نچوڑنے کا منصوبہ ہے۔ اسے ہم تو نہیں سمجھ پائے مگر اہل مغرب جان چکے ہیں کہ یہ دنیا کا خون نچوڑنے کا استحصالی منصوبہ ہے جو یہودی شہ دماغوں کا تیار کردہ ہے۔ وہ اس کے ذریعے پوری دنیا

پر اپنا غلبہ چاہتے ہیں اور اس مقصد کے لیے انسانیت کو حیوانیت کی سطح پر لے آنا چاہتے ہیں۔ ان کے پیش نظر یہ ہے کہ تمام انسان کام کریں اور ہم ان کی یافت کو بینکوں کے سود کی شکل میں کھینچ لیں۔ یہ بڑی بڑی ملٹی نیشنل کارپوریشنز اسی منصوبے کے ہتھیار ہیں۔ اس منصوبے کے جائزے کے لیے وہ کبھی سی ایٹل (Seattle)' کبھی ڈیووس (Davos) اور کبھی واشنگٹن میں جمع ہوتے ہیں۔ یورپ کے عوام باشعور ہیں۔ انہوں نے ہر جگہ پر گلوبلائزیشن کے خلاف عظیم مظاہرے کیے ہیں' جبکہ ہمارا حال یہ ہے کہ معلوم ہی نہیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ اور ہماری حکومتیں بھی بغیر جانے بوجھے اور سمجھے عالمی استحصالی منصوبوں پر دستخط کرتی چلی جا رہی ہیں۔

مجلس کا تیسرا مشیر گویا ہوتا ہے: ؎

روحِ سلطانی رہے باقی تو پھر کیا اضطراب
ہے مگر کیا اس یہودی کی شرارت کا جواب؟
وہ کلیم بے تجلی! وہ مسیح بے صلیب
نیست پیغمبر ولیکن در بغل دارد کتاب!

مشیر کا خیال ہے کہ اگر ملوکیت باقی رہتی ہے تو پھر ہمیں پریشان اور مضطرب ہونے کی کوئی ضرورت نہیں' کیونکہ جمہوری نظام میں عوامی حاکمیت اور شہنشاہیت دونوں موجود ہیں۔ دوسرے مصرعے میں کمیونزم کے نظریے کو متعارف کرانے والی شخصیت جرمن نژاد یہودی کارل مارکس کی جانب اشارہ ہے۔ کارل مارکس ۱۸۱۸ء میں پیدا ہوا۔ کمیونزم کے نظریے کے ابلاغ پر جرمن حکومت نے اُسے جلاوطن کر دیا۔ چنانچہ جرمنی سے فرانس گیا' مگر وہاں بھی اسے پناہ نہ ملی۔ البتہ انگلینڈ نے اسے پناہ دے دی۔ یہاں اس نے کتاب ''Das Kapital'' لکھی۔ کارل مارکس اپنے نظریے کی بنیاد پر کسی ملک یا خطے میں انقلاب نہیں لا سکا' مگر اُس کی کتاب نے نوعِ انسانی کے دماغوں کو مسخر کیا اور انہیں تحریک دی۔ چنانچہ اسی کتاب میں دیے گئے نظریے کی بنیاد پر روس میں لینن نے بادشاہت کے نظام کے خلاف بغاوت کا اعلان کر دیا اور ایک خونی انقلاب کے نتیجے میں

کمیونزم کے نظام کو نافذ کر دیا۔ مارکسزم یا کمیونزم انفرادی ملکیت کے تصور کی نفی پر مبنی نظام تھا۔ یعنی ہر چیز قومی ملکیت ہے۔ آپ کام کریں اور اجرت لیں' کھانے پینے کا بندوبست حکومت کے ذمے ہے۔ لیکن اس سے آگے آپ کا کوئی حق نہیں ہے کہ آپ کوئی جماعت بنائیں' کوئی تحریک چلائیں اور اپنی اجرت کو بڑھانے کا مطالبہ کریں۔ ظاہر ہے کہ یہ نظام غیر فطری انتہا پسندانہ تھا لہٰذا اسے بہرصورت ناکام ہونا تھا۔ چونکہ یہ نظام سود کی نفی پر مبنی بھی تھا' لہٰذا سرمایہ دارانہ نظام (Interest based capitalism) نے اسے اپنے لیے خطرہ سمجھا۔ بنا بریں روس اور امریکہ کے درمیان طویل عرصہ تک سرد جنگ چلتی رہی' تا آنکہ ۱۹۷۹ء میں روس نے افغانستان پر یلغار کی تو سرمایہ دارانہ نظام کے امام امریکہ نے کثیر سرمایہ خرچ کر کے مجاہدین کو جدید ترین اسلحہ دیا' سٹنگر میزائل دیے' بڑی بڑی گاڑیاں دیں۔ چنانچہ افغان جہاد کے نام پر مسلمانوں نے جانیں دیں اور روس کو شکست سے دوچار کر کے کمیونزم کا خاتمہ کر دیا' جس نے سرمایہ دارانہ نظام کو چیلنج کیا تھا۔ ابلیس کا مشیر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ نیا اشتراکی انقلاب آ رہا ہے۔ کہیں اس سے ہمارے محبوب سرمایہ دارانہ نظام کی جڑ نہ کٹ جائے اور ہمارے شیطنت کے پنجوں میں سے ایک پنجہ نہ ٹوٹ جائے۔

کیا بتاؤں کیا ہے کافر کی نگاہِ پردہ سوز
مشرق و مغرب کی قوموں کے لیے روزِ حساب
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا طبیعت کا فساد
توڑ دی بندوں نے آقاؤں کے خیموں کی طناب!

مشیر اپنی تشویش ظاہر کرتے ہوئے مزید کہتا ہے کہ کمیونزم کے آنے سے انسان اپنے حقوق سے آگاہ ہو گیا ہے۔ وہ لوگ کہ جن کے سامنے ہم نے ان کی محرومیوں کو ان کی تقدیر بنا کر پیش کیا تھا' وہ اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور اپنے آقاؤں کی جڑوں پر تیشہ چلا رہے ہیں اور بادشاہتوں کو جڑوں سے اکھاڑ پھینک رہے ہیں اور ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ ظالموں کا یومِ حساب قریب آ گیا ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ دنیا کے واحد سرمایہ دارانہ نظام کو پچھلی صدی میں چیلنج کرنے والا نظام کمیونزم ہی تھا' جو سیلاب کی طرح بڑھا تھا' جس سے مغربی سرمایہ دارانہ نظام اپنے گھر کے اندر خوف سے کانپ رہا تھا۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ سوویت یونین خلا کی تسخیر میں امریکہ کو پچھاڑ چکا تھا۔ کمیونزم کے مقابلے کے لیے امریکہ میں کروڑوں کی تعداد میں مذہبی کتابیں شائع کر کے انہیں پوری دنیا میں پھیلا گیا اور تمام مذاہب کے پیروکاروں کو باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ کمیونزم تمام مذاہب کے خلاف بغاوت ہے۔ یہی نہیں بلکہ SEATO، NATO اور Cento جیسے ادارے بنائے گئے تا کہ کمیونزم کے سیلاب کو روکا جا سکے۔ امریکہ اور روس کے مابین نصف صدی پر محیط سرد جنگ کوئی مذہبی جنگ نہیں تھی' بلکہ دو معاشی نظاموں کی جنگ تھی۔ اس جنگ میں بالآخر چیلنج کرنے والا نظام (یعنی کمیونزم) شکست کھا گیا۔

اب چوتھا مشیر اظہارِ خیال کرتا ہے کہ ؎

توڑ اس کا رومۃ الکبریٰ کے ایوانوں میں دیکھ
آلِ سیزر کو دکھایا ہم نے پھر سیزر کا خواب
کون بحر روم کی موجوں سے ہے لپٹا ہوا
گاہ بالد چوں صنوبر' گاہ نالد چوں رباب

رومۃ الکبریٰ سے مراد عظیم رومی سلطنت (Great Roman Empire) ہے۔ اس کے عروج کا زمانہ بادشاہ جولیس سیزر کا عہد ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت باسعادت بھی اسی بادشاہ کے دورِ حکومت میں ہوئی۔ عیسائی روایات کے مطابق اسی بادشاہ کے ایک گورنر نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مصلوب کیا تھا۔ ابلیس کا مشیر کہتا ہے اب پھر ہم نے سیزر کے خاندان کے ایک فرد ''مسولینی'' کو عظیم رومی سلطنت کے احیاء کا خواب دکھایا ہے۔ غریب لوہار کا بیٹا مسولینی ۱۸۸۳ء میں پیدا ہوا تھا۔ اس کے اندر ایک زعم تھا کہ رومی اونچی نسل اور بڑی طاقت ہیں' لہٰذا انہی کا حق ہے کہ حکومت کریں۔ بعد میں یہی زعم ہٹلر کے ذریعے جرمن قوم کے اندر پیدا ہوا کہ پوری دنیا پر حکومت کرنا ہمارا

حق ہے۔ علامہ اقبال نے یہ نظم ۱۹۳۶ء میں لکھی تھی۔ اُس وقت تک ہٹلر ابھی منظر عام پر نہیں آیا تھا، مگر مسولینی اور ہٹلر کا عزم ''فاشزم'' ہی تھا۔ مسولینی نے عظیم رومی سلطنت کے احیاء کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے اس نے بہت بڑا بحری بیڑہ بنایا تھا۔ اس نے دنیا کے کئی ممالک کو فتح کیا۔ لیبیا کو فتح کرنے کے بعد وہ افریقہ میں مسلسل آگے بڑھ رہا تھا کہ ۱۹۴۳ء میں پارٹی میں بغاوت ہوگئی، جس کے نتیجے میں وہ قتل ہوگیا۔ مسولینی کے فاشزم کی وجہ سے اس پر تمام دنیا میں بہت تنقید ہوئی۔ علامہ اقبال نے ایک دوسرے مقام پر ''مسولینی'' کے عنوان سے لکھی گئی ایک نظم میں دنیا کی تنقید کے جواب میں اس کا موقف انتہائی لطیف انداز میں پیش کیا ہے: ؎

کیا زمانے سے نرالا ہے مسولینی کا جرم؟
بے محل بگڑا ہے معصومانِ یورپ کا مزاج
میں پھٹکتا ہوں تو چھلنی کو برا لگتا ہے کیوں
ہیں سبھی تہذیب کے اوزار! تو چھلنی میں چھاج
میرے سودائے ملوکیت کو ٹھکراتے ہو تم
تم نے کیا توڑے نہیں کمزور قوموں کے زجاج؟
یہ عجائب شعبدے کس کی ملوکیت کے ہیں
راجدھانی ہے، مگر باقی نہ راجہ ہے، نہ راج
آلِ سیزر چوبِ نَے کی آبیاری میں رہے
اور تم دنیا کے بنجر بھی نہ چھوڑو بے خراج
تم نے لوٹے بے نوا صحرا نشینوں کے خیام
تم نے لوٹی کشتِ دہقاں! تم نے لوٹے تخت و تاج
پردۂ تہذیب میں غارت گری، آدم کُشی
کل روا رکھی تھی تم نے، میں روا رکھتا ہوں آج

تیسرا مشیر چوتھے مشیر کے جواب میں کہتا ہے: ؎

میں تو اس کی عاقبت بینی کا کچھ قائل نہیں
جس نے افرنگی سیاست کو کیا یوں بے حجاب!

یعنی مسولینی کی عاقبت اندیشی کسی کام کی نہیں' کیونکہ اس نے فرنگی سیاست کو لوگوں کے سامنے بے نقاب کر کے رکھ دیا ہے۔ کمیونزم کے خلاف اصل ہتھیار مغربی سرمایہ داری نظام تھا' مسولینی نے اس ہتھیار کو کند کرنا شروع کر رکھا ہے اور وہ کہتا ہے کہ پہلے تم بھی لڑتے تھے' تمہارے ہاتھوں بھی خوں ریزیاں ہوتی تھیں' کمزور طبقات کا استحصال ہوتا تھا' آج اگر یہی کام میں کرتا ہوں تو مجھ پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔

پانچواں مشیر صدر مجلس ابلیس کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ ؎

اے ترے سوزِ نفس سے کارِ عالم اُستوار
تو نے جب چاہا کیا ہر پردگی کو آشکار

جناب صدر! آپ کے سوزِ نفس سے ہی تو عالمی نظامِ سیاست چل رہا ہے اور آپ نے جب چاہا چھپے ہوئے رازوں سے پردہ اٹھا دیا۔

آب و گل تیری حرارت سے جہانِ سوز و ساز
اَبلہِ جنت تری تعلیم سے دانائے کار

یہ زمین جو آب و گل (پانی اور مٹی) کا مجموعہ ہے اور اسی سے جہان میں سب کچھ تخلیق کیا گیا ہے' اس میں سوز و ساز تمہاری حرارت کی بدولت ہے۔ اے ابلیس! تمہاری ہی تعلیم سے سادہ لوح لوگ فلسفی اور دانا ہیں۔

تجھ سے بڑھ کر فطرتِ آدم کا وہ محرم نہیں
سادہ دل بندوں میں جو مشہور ہے پروردگار

اس مقام پر مشیر کا انداز اپنے گرو ابلیس کے بارے میں انتہائی خوشامدانہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اے ابلیس! فطرتِ آدم سے جس قدر تو واقف ہے اس قدر واقف تو وہ ہستی بھی نہیں ہے جسے سادہ دل بندے پروردگار مانتے ہیں۔ (معاذ اللہ) حضور ﷺ کی ایک حدیث ہے کہ جنت میں رہنے والے بہت سادہ لوح ہوں گے اور ابلہ جنت سے بھی یہی

سادہ لوح لوگ مراد ہیں۔

کام تھا جن کا فقط تقدیس و تسبیح و طواف
تیری غیرت سے ابد تک سرنگون و شرمسار

یعنی فرشتوں کا ہر وقت یہی کام ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی تقدیس، تسبیح اور طواف میں مصروف رہیں۔ وہ سراپا تسلیم و رضا ہیں، مگر تیری ''غیرت'' (اللہ سے سرکشی اور بغاوت) سے وہ ابد تک ربّ تعالیٰ کے سامنے شرمسار اور سرنگوں ہو گئے ہیں۔ ''بالِ جبریل'' میں علامہ نے ''جبریل و ابلیس'' کے عنوان سے ایک نظم لکھی ہے جو دونوں کے مابین ایک مکالمہ ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ کیجیے:

جبریل: ہمدمِ دیرینہ! کیسا ہے جہانِ رنگ و بو؟
ابلیس: سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو!
جبریل: ہر گھڑی افلاک پر رہتی ہے تیری گفتگو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاکِ دامن ہو رفو؟
ابلیس: آہ اے جبریل تو واقف نہیں اس راز سے
کر گیا سرمست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبو
اب یہاں میری گزر ممکن نہیں، ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کو!

پانچواں مشیر اپنی بات کو جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: ؎

گرچہ ہیں تیرے مرید افرنگ کے ساحر تمام
اب مجھے ان کی فراست پر نہیں ہے اعتبار

دنیا میں افرنگ کے تمام جادوگر تیرے مرید ہیں، مگر مجھے ان کی فہم و فراست پر کسی قسم کا اعتبار نہیں ہے۔

وہ یہودی فتنہ گر، وہ روحِ مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

یہودی فتنہ گر (کارل مارکس) میں مزدک کی روح ظاہر ہو چکی ہے۔ بروز کا مطلب کسی گزرے ہوئے شخص کی روح کا جزوی یا کلی طور پر کسی اور انسان میں ظاہر ہو جانا ہے۔ مزدک پانچویں صدی عیسوی میں ایران میں پیدا ہوا۔ تحقیق یہ بتاتی ہے کہ وہ زرتشت کا پیروکار تھا۔ زرتشتی فلسفہ یہ تھا کہ ایک نیکی کا خدا ہے جس کا نام ''یزداں'' ہے اور ایک بدی کا خدا ہے جس کا نام ''اہرمن'' ہے' اور ان دو خداؤں کے اوپر پھر ایک بڑا خدا ہے جسے ''خدائے خدایگاں'' قرار دیا جاتا ہے۔ یہ ویسے ہی ہے جیسے آنحضور ﷺ کی بعثت سے قبل مشرکین مکہ اللہ تعالیٰ کو بڑا خدا مانتے تھے مگر اس کے نیچے نیچے اور بے شمار خداؤں کے بھی قائل تھے۔ یورپ میں بھی یونانی یا رومن تہذیب میں ''G'' سے لکھا جانے والا God ایک ہی ہے' لیکن ''g'' سے لکھے جانے والے gods and godesses بے شمار ہو سکتے ہیں۔ ہندوستان میں بھی مہادیو ایک ہے مگر دیوی اور دیوتاؤں کا شمار ہی نہیں۔ بہر حال مزدک نے اس فلسفے کو فروغ دیا۔ اُس نے مزید کہا کہ حسد' کینہ' بغض' نفرت' لڑائیاں' جنگیں' فتنے' دنگے اور فساد سب عدم مساوات کی وجہ سے ہیں۔ اگر دنیا میں مساوات قائم ہو جائے تو تمام فتنوں کی جڑ کٹ سکتی ہے۔ لہٰذا اس کا خیال تھا کہ زر' زن اور زمین کو تمام انسانوں میں برابر تقسیم کر دینا چاہیے۔ یہ فلسفہ سب سے پہلے مزدک کے ذریعے دنیا میں آیا اور اس کی جانب دوسری چھلانگ کارل مارکس نے لگائی۔ ۵۴۸ء میں ایرانی بادشاہ نوشیرواں نے مزدک کو اس کے فلسفے کی بنیاد پر قتل کر دیا اور اس کے پیروکاروں کو بھی ہلاک کرا دیا۔

زاغِ دشتی ہو رہا ہے ہمسر شاہین و چرغ
کتنی سرعت سے بدلتا ہے مزاجِ روزگار

مشیر کے خیال میں کمیونزم کے آنے سے صحرائی کوّے شاہین اور شکروں کے برابر ہو رہے ہیں۔ کاشتکار زمیندار کے برابر' مزدور کارخانہ دار کے برابر اور محروم طبقات سرمایہ دار کے برابر ہو رہے ہیں اور اس کے خیال میں یہ بات ابلیسیت کے نظام کے خلاف ہے۔

چھا گئی آشفتہ ہو کر وسعت افلاک پر
جس کو نادانی سے ہم سمجھے تھے اِک مُشتِ غبار

یہ بالشویک انقلاب جو ایک ملک (روس) میں آیا تھا اب اس کی سرحدوں کو توڑ کر پوری دنیا کو اپنے زیر اثر لانے کے لیے نکل چکا ہے۔ اس سے ہمارا سرمایہ دارانہ نظام ختم ہو جائے گا' ہمارا سیاسی کھیل تباہ و برباد ہو جائے گا۔ ہم تو نادانی میں اسے ایک مشت غبار سمجھ رہے تھے۔

فتنۂ فردا کی ہیبت کا یہ عالم ہے کہ آج
کانپتے ہیں کوہسار و مرغزار و جوئبار

علامہ اقبال کی دُور بینی کا اندازہ کیجیے کہ وہ درج بالا شعر میں کمیونزم کے پھیلاؤ کو ''ہیبت'' سے تعبیر کر رہے ہیں' حالانکہ علامہ کی زندگی میں وہ نقشہ تو پیش نہیں آیا تھا جب واقعی کمیونزم کی ہیبت سے پورا مغربی بلاک کانپ رہا تھا' اس اندیشے سے کہ کمیونزم کے مقابلے میں اب ہمارے سرمایہ دارانہ نظام کے قدم جمے نہیں رہیں گے۔

میرے آقا! وہ جہاں زیر و زبر ہونے کو ہے
جس جہاں کا ہے فقط تیری سیادت پر مدار

اس مقام پر ابلیس کا مشیر شدتِ جذبات سے پھٹ پڑا ہے۔ صدر مجلس ابلیس کو پکارتے ہوئے کہتا ہے کہ میرے آقا! ہم نے جس ظالمانہ' جابرانہ' استحصالی سرمایہ دارانہ نظام کو قائم کیا تھا' اب وہ ختم ہوتا ہوا محسوس ہو رہا ہے' اس کے تار و پود بکھرتے نظر آ رہے ہیں۔ اسی سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے تو آپ کی ابلیسیت اور شیطنت کا راج دنیا میں قائم ہے۔ اسی لیے ہم نے اسے خوشنما اور روشن خیال بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اگر یہ نظام ختم ہو گیا' تو روئے ارضی سے ابلیسیت کا خاتمہ ہو جائے گا۔

نظم کے آخر میں ابلیس اختتامی خطاب کرتے ہوئے اپنے مشیروں سے کہتا ہے:۔

ہے مرے دست تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں' کیا مہر و مہ' کیا آسمانِ تو بتو

یہ عالم رنگ و بو' یہ دنیا میرے دست تصرف اور کنٹرول میں ہے۔ یہاں میری فوج ہے' میرے چیلے ہیں' میرے ایجنٹ ہیں اور میرے قائم کردہ نظام کے محافظ ہیں' نہ صرف زمین' بلکہ چاند' سورج اور آسمان بھی میرے کنٹرول میں ہیں۔

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو

اس شعر میں دوسری عالمی جنگ کی پیشین گوئی ہے۔ پہلی عالمگیر جنگ کی طرح یہ جنگ بھی مغربی قوتوں کے مابین تھی اور اس میں کروڑوں انسان موت کے منہ میں چلے گئے تھے۔

اب تیسری عالمگیر جنگ ہمارے سروں پر لٹک رہی ہے۔ اس جنگ کا میدان یورپ نہیں بلکہ مشرق وسطیٰ ہوگا اور وہاں پر جنگ کی ایک بہت بڑی بھٹی دہکے گی۔ اس طرح عربوں کے ساتھ سنگین ترین معاملہ ہونے والا ہے۔ اس جنگ کو بائبل کی زبان میں آرمیگاڈان (ARMAGEDDON) کہا جاتا ہے۔ حدیث نبویؐ میں بھی اس جنگ کے بارے میں خبریں ہیں اور اسے اَلْمَلْحَمَۃُ الْعُظْمٰی اور اَلْمَلْحَمَۃُ الْکُبریٰ کہا گیا ہے۔ یہ تاریخ انسانی کی سب سے بڑی جنگ ہوگی جو کئی سالوں پر محیط ہوگی۔

کیا امامانِ سیاست' کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو!
کار گاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو

ان اشعار میں مغرب کی دجالی تہذیب کا تذکرہ ہو رہا ہے' جو ہدایت ربانی سے محروم ہے۔ موجودہ زمانے میں امریکی صدر جارج ڈبلیو بش اسی کی دہائی دے رہا ہے۔ بش کہتا ہے کہ ہماری تہذیب یا ہمارے طرزِ زندگی کو اگر خطرہ ہے تو وہ صرف اسلامی بنیاد پرستوں (Islamic Fundamentalist) سے ہے۔ ماضی میں بھی فرعون کا یہی نعرہ تھا جو موجودہ حالات میں فرعونِ وقت جارج بُش لگا رہا ہے۔ فرعون کہتا تھا کہ موسیٰ اور

ہارون (علیہما السلام) ہمارے مثالی تہذیب و تمدن اور ہمارے نظامِ زندگی کو تباہ کرنے کے درپے ہیں' یہ ہمارے نظام کے لیے خطرہ ہیں۔ ابلیس فخر یہ انداز میں پورے اعتماد کے ساتھ اور چیلنج کے سے انداز میں امامانِ سیاست اور کلیسا کے شیوخ کو اپنی ایک ہو کے ذریعے دیوانہ بنانے کا مدعی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج ہماری مذہبی قیادت اور سیاسی رہنما بھی اسلام کے انقلابی تصور سے ناآشنا ہیں۔ ان کے سامنے صرف اسلام کا مذہبی تصور ہے' یعنی عقیدہ' عبادات اور سماجی رسومات وغیرہ۔ اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی سے وہ غافل ہیں۔

دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو

علامہ کا یہ شعر بہت ہی عمدہ ہے۔ اس میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی سرشت میں امتیازات رکھ دیے ہیں۔ علامہ نے فطرت کا لفظ استعمال کیا ہے' مگر میں اس کی جگہ لفظ ''سرشت'' استعمال کر رہا ہوں' کیونکہ فطرت روحانی تقاضوں کا نام ہے اور اس کی نسبت باری تعالیٰ کی جانب ہے' جیسے قرآن میں فرمایا گیا کہ: ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا﴾ (الروم:۳۰)۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ لوگوں کی سرشت میں فرق موجود ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ ختم ہونے والا نہیں ہے' لہٰذا اس فرق کو ختم کرنے کے لیے ایرانی فلسفی مزدک کی منطق کارگر نہیں ہو سکتی۔ اسلام کے معاشی نظام میں بھی اس فرق کو ختم نہیں کیا گیا' بلکہ اس کو حدود میں رکھا گیا ہے۔

اسلامی نظامِ معیشت کے حوالے سے چند باتیں ذہنوں میں مستحضر رہنی چاہئیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ اسلام یہ تو چاہتا ہے کہ سرمایہ کاری ہو مگر وہ سرمایہ داری کو باقی رکھنے کا ہرگز روادار نہیں ہے۔ مغربی معیشت بھی سرمایہ کاری پر مبنی ہے مگر اس میں سود شامل ہو جانے سے وہ سرمایہ داری بن گئی ہے۔ دوسرے اسلام نے اصلاً زور محنت پر دیا ہے۔ گویا محنت کو تحفظ حاصل ہے۔ سرمائے کو محض سرمائے کی حیثیت سے earning factor بنا دیا جائے تو اسلام کی نظر میں یہ غلط ہے۔ اسی طرح جوئے اور چانس کی بنا پر منافع حاصل

کرنا حرام ہے' کیونکہ اس میں بھی محنت کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسلامی نظامِ معیشت میں ذاتی ملکیت (private ownership)' رسد و طلب (supply&demand)' مارکیٹ اکانومی (market economy) اور ہائر اینڈ فائر (hire and fire) شامل ہیں' مگر یہ نظام سود اور جوئے سے پاک ہے۔ جب کسی نظامِ معیشت میں سود اور جوئے کے عناصر شامل ہو جاتے ہیں تو پھر یہ سرمایہ کاری سرمایہ داری بن جاتی ہے۔ اور سرمایہ داری کی مثال آکاس بیل کی سی ہے۔ جیسے آکاس بیل درخت کو اپنی لپیٹ میں لے کر اُس کی توانائی کو چوس لیتی ہے' اسی طرح سرمایہ دارانہ نظام انسانوں کو سود کے مکروہ دھندے میں مبتلا کر کے ان کا خون نچوڑ لیتا ہے۔ دورِ حاضر میں سٹاک ایکسچینج کا دھندا جوا ہی تو ہے کہ سرمایہ دار اپنے مال کے بل بوتے پر پوری مارکیٹ کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور کروڑوں کا نقصان ہو جاتا ہے۔

کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار' آشفتہ مغز' آشفتہ ہُو

ابلیس اپنے مشیروں کو مخاطب کر کے بتا رہا ہے کہ جن اشتراکیوں سے تم مجھے ڈرا رہے ہو' یہ مجھے یا میرے نظام کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ یہ تو فاقوں کے مارے کچھ دیوانے اور پاگل ہیں اور ان کے کمیونزم کے نظریے پر مبنی خیالات بھی دیوانگی کے سوا کچھ نہیں۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس اُمت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو

ابلیس اپنے شیطانی نظام کے لیے کسی کو خطرہ سمجھ رہا ہے تو وہ اُمت مسلمہ ہے' مگر یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم نے اسلامی نظام یا نظامِ خلافت کو دنیا کے کسی ایک خطہ پر بھی نافذ اور قائم نہیں کیا۔ آج اگر کوئی ہم سے اسلامی نظام کے متعلق پوچھتا ہے کہ وہ نظام کہاں ہے؟ تو ہمارا جواب ہوتا ہے کہ اُسے کتابوں میں پڑھ لیں اور دیکھ لیں (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور ابھی تک کہیں اس نظام کے قیام کے آثار بھی نظر نہیں آ رہے' مگر ابلیس

اور اس کی ذریت معنوی (مغربی دنیا) اسلامی نظام کو اپنے لیے خطرہ سمجھتی ہے۔ ان کا خیال ہے کہ کمیونزم کے خلاف جنگ جس قدر ضروری تھی' اس سے بڑھ کر مسلم بنیاد پرستی کے خلاف جنگ کی ضرورت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمِ کفر ''الکفرُ مِلّۃٌ واحدۃٌ'' کے مصداق مسلمانوں کے خلاف متحد ہے اور ہم مسلمان عراق میں شیعہ سنی اور فلسطین میں باہمی نفاق کی وجہ سے آپس میں دست و گریباں ہیں۔ ابلیس مسلمانوں سے جو خطرہ محسوس کر رہا ہے اُس کی وجہ یہ ہے کہ ابلیس اور اس کے حواری ہمیں اُس انگارے کی مانند سمجھ رہے ہیں جس پر راکھ چڑھی ہوئی ہے اور یہ راکھ میں چھپا انگارا کسی وقت بھی مغربی نظام کے خلاف آگ کا طوفان بن سکتا ہے' جسے اقبال نے ابلیس کی زبان سے ''شرارِ آرزو'' سے تعبیر کیا ہے۔

اس شرارِ آرزو کا ظہور کیسے ہوا' اسے بھی سمجھ لیں۔ جب مسلم دنیا سے مغربی تسلط کا خاتمہ ہوا تو مسلمان ملکوں کی کیفیت ایسے ہوئی جیسے ایک بے ہوش شخص کی ہوش میں آنے کے بعد ہوتی ہے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ کیا ہمارا بھی کوئی تمدن' کوئی رہن سہن اور کوئی تہذیب ہے؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کیا ہمارا کوئی نظام بھی ہے؟ تو انہیں یاد آیا کہ ہمارے اپنے قوانین' تعزیرات' حدود' فیملی لاز ہیں' ہمارا اپنا قانونِ وراثت' شرم و حیا پر مبنی نظامِ معاشرت' سود اور جوئے سے پاک معاشی نظام اور حاکمیت ربّ کے تصور پر مبنی سیاسی نظام ہے۔ لہٰذا ہمارے نظامِ زندگی کو معاشرے اور ریاست میں غالب ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس مقصد کے لیے انڈونیشیا سے لے کر موریطانیہ تک اسلامی تحریکوں کا آغاز ہوا۔ انڈونیشیا میں مسجومی (ماشومی) پارٹی' برصغیر میں جماعت اسلامی' ایران میں فدائین' مصر میں الاخوان المسلمون اور لبنان میں عباد الرحمان وغیرہ جیسی تحریکیں اُبھریں۔

یہ ساری تحریکیں اس فکر کی بنیاد پر اُٹھیں کہ اسلام ایک دین (ضابطۂ حیات) ہے جو اپنا غلبہ چاہتا ہے' لہٰذا ہمیں دین کو غالب کرنا ہے۔ ان جماعتوں کے نام مختلف تھے مگر ان کا نصب العین اور جذبہ ایک ہی تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ تین بنیادی عوامل ایسے تھے جن کی بنا پر ان تحریکوں کو آج تک کہیں بھی کامیابی حاصل نہیں ہو سکی۔ پہلا عامل یہ ہے کہ

چاہے انگریز ہوں، فرانسیسی ہوں، اطالوی ہوں، انہوں نے جو نظامِ تعلیم رائج کیا تھا اس کی وجہ سے ان ملکوں کا اعلیٰ طبقہ (elite class) ان کے رنگ میں رنگا گیا اور جب انگریز اپنے زیرِ تسلط علاقوں سے واپس گیا تو حکومت انہی لوگوں کے حوالے کر گیا، جو آج تک انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ لہٰذا وہ چاہے پرویز مشرف ہوں، بے نظیر ہوں یا نواز شریف ہوں، ان کے نزدیک اسلام صرف مذہب ہے اور اسلام بطور دین سے وہ واقف ہی نہیں۔

دوسرا عامل یہ کہ ان مذہبی تحریکوں نے سمجھا کہ منہج انقلاب نبوی ﷺ آج کے دور میں آؤٹ آف ڈیٹ ہے، لہٰذا الیکشن میں حصہ لیا جائے۔ تیسرا عامل یہ کہ جب الیکشن کے ذریعے کامیابی نہیں ملی تو ان میں سے بعض لوگوں نے بندوق اٹھالی، حالانکہ ہونا یہ چاہیے تھا کہ تجدیدِ ایمان کی دعوت دی جاتی کیونکہ ہمارا ایمان ایک موروثی عقیدہ ہے اور اس کو مضبوط کیا جاتا تو یہ یقین کی شکل اختیار کر لیتا۔ ؎

یقیں پیدا کر اے ناداں یقیں سے ہاتھ آتی ہے
وہ درویشی کہ جس کے سامنے جھکتی ہے فغفوری

اور دوسرے اُس طریق کو اختیار کیا جاتا جس کو اختیار کر کے نبی کائنات ﷺ نے انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں پہلی مرتبہ دین اسلام غالب اور نافذ کیا تھا۔ قیامت سے قبل ایک بار پھر اس دین کا احیاء ہوگا اور یہ بات ابلیسی طاقتیں بھی جانتی ہیں۔ بُش، بلیئر اور ان کے ایجنٹ مسلمان حکمران اسی بنا پر کہتے ہیں کہ نظامِ خلافت کی بات کرنے والے فنڈامنٹلسٹ ہیں، اور بقول جارج بش یہ سپین سے لے کر انڈونیشیا تک خلافت قائم کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ سپین کا نام کسی تحریک یا تنظیم نے نہیں لیا، مگر اس سے اندازہ کیجیے کہ عالمِ کفر پر اسلامی نظام کے دوبارہ احیاء کی ہیبت کا کیا عالم ہے!

خال خال اِس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
جانتا ہے جس پہ روشن باطنِ ایام ہے
مزدکیت فتنۂ فردا نہیں، اسلام ہے!

یہاں اُن مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو اسلامی تہذیب کی بقاء اسلام کو بحیثیت دین اور بطور نظامِ حیات دوبارہ نافذ کرنے کا عزمِ صادق رکھتے ہیں اور انہیں آج عالم کفر اپنا اوّلین دشمن سمجھتا ہے۔ عالم کفر کی طرف سے پوری دنیا میں اس وقت جو جنگ اور فساد برپا ہے وہ اسی لیے ہے کہ اسلامی تحریکوں کا راستہ روکا جائے' مبادا ان لوگوں کے ہاتھوں نظامِ اسلام' حکومتِ الٰہیہ' نظامِ مصطفیٰ یا نظامِ خلافت کا دوبارہ احیاء ہو جائے۔ اس سلسلے میں امریکی تھنک ٹینک ''رینڈ کارپوریشن'' کی مرتب کردہ ایک رپورٹ ہماری آنکھیں کھول دینے کے لیے کافی ہے جو کچھ عرصہ پہلے سامنے آئی ہے۔ رپورٹ کے مطابق مسلمانوں کی چار اقسام ہیں: پہلی قسم انقلابی مسلمانوں یعنی بنیاد پرستوں کی ہے جو پوری دنیا میں نظامِ اسلام یا نظامِ خلافت کا احیاء چاہتے ہیں۔ دوسری قسم روایت پسند مسلمانوں پر مشتمل ہے' جو نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ کی پابندی کرتے ہیں' لیکن ان کے ذہن میں اسلام کا انقلابی تصور نہیں ہے۔ تیسری قسم میں تجدد پسند مسلمان ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو من مانی تعبیرات کر کے اسلام کو جدید رنگ میں ڈھالنا چاہتے ہیں اور آج کل ذرائع ابلاغ پر ان کا غلبہ ہے اور انہیں حکومتی پشت پناہی بھی حاصل ہے۔ چوتھی قسم میں سیکولر مسلمان ہیں' جو اسلام کو نجی معاملہ سمجھتے ہیں اور ریاست میں اس کے عمل دخل کے یکسر خلاف ہیں۔ امریکی تھنک ٹینک کے مطابق روایت پسند' تجدد پسند اور سیکولر مسلمان تو ہمارے معاون ہیں اور ہمیں ان سے کوئی خطرہ نہیں' مگر انقلابی اور بنیاد پرست مسلمان ہمارے کھلے دشمن ہیں' کیونکہ یہ اسلام کو پوری دنیا میں قائم اور نافذ کرنے کی بات کرتے ہیں۔ لہٰذا انہیں ہمیں بہرصورت ختم کرنا ہے۔

جانتا ہوں میں یہ اُمت حاملِ قرآں نہیں
ہے وہی سرمایہ داری بندۂ مؤمن کا دیں

ابلیس کی زبان میں اقبال نے اُمت مسلمہ کی جو حالت زار بیان کی ہے وہ حقیقت پر مبنی ہے۔ یعنی آج مسلمانوں کے اندر مادّہ پرستی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے' جس کی وجہ سے وہ قرآن کو محض ایک کتاب سمجھتے ہیں۔ اس کے پڑھنے کو ثواب کا ذریعہ سمجھتے ہیں مگر

اس پر عمل کرنے کے لیے تیار نہیں۔ قرآن حکیم کا فلسفہ یہ ہے کہ دُنیوی زندگی انسان کے لیے امتحان اور آزمائش کی حیثیت رکھتی ہے اور اس امتحان کا نتیجہ قیامت کے روز نکلے گا جسے قرآن ''یوم الدین'' (The day of judgement) کہتا ہے' مگر ہم میں سے کتنے ہیں جو قرآن کے اس فلسفے پر حقیقی ایمان اور یقین رکھتے ہوں؟ ہماری اکثریت تو اس دنیا ہی کو اَبدی حقیقت سمجھتی ہے۔ اسی لیے ہماری ساری سعی و جہد اور محنت کا مرکز و محور دنیا اور اس کی آسائشیں ہیں اور ان کو پانے کے لیے ہم حلال اور حرام کی تمیز کو ختم کیے ہوئے ہیں۔ اسی لیے کہا کہ آج کے مسلمانوں نے سرمایہ داری کو اپنا دین بنا لیا ہے۔

جانتا ہوں میں کہ مشرق کی اندھیری رات میں
بے یدِ بیضا ہے پیرانِ حرم کی آستیں

پیران حرم سے مراد ملاّ اور صوفی ہیں اور اقبال کے مطابق ان کی آستین بے ید بیضا یعنی قرآن حکیم کے انقلابی فکر سے خالی ہے۔ ید بیضا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ ''ضربِ کلیم'' میں اقبال نے ''ملائے حرم'' کے عنوان سے اشعار میں علماء کی اکثریت کی اصل کیفیت کی جانب اشارہ کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

عجب نہیں کہ خدا تک تری رسائی ہو
تری نگہ سے ہے پوشیدہ آدمی کا مقام
تری نماز میں باقی جلال ہے نہ جمال
تری اذاں میں نہیں ہے مری سحر کا پیام

نیز کہتے ہیں:

مسکینی و محکومی و نومیدیٔ جاوید
جس کا یہ تصوف ہو وہ اسلام کر ایجاد
ملاّ کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد!

ابلیس مزید کہتا ہے:

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبر کہیں

اب انسان دوبارہ اُسی نظام کی جانب جا رہا ہے جسے دنیا میں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ نے قائم اور نافذ کیا تھا۔ ابلیس اور اس کی ذریت امریکہ اور اس کے اتحادی سب چاہتے ہیں کہ ان کا سیکولر دجالی نظام ہی پوری دنیا میں قائم و دائم رہے۔ سود پر مبنی سرمایہ داری نظام کا تسلط برقرار رہے اور مغربی تہذیب پوری دنیا پر چھا جائے' جس میں شرم و حیا اور عصمت و عفت کے تمام تقاضوں کا فقدان ہے۔ بظاہر اس وقت اُمت مسلمہ کی حالت انتہائی ناگفتہ بہ ہے مگر یہ حالت ان شاء اللہ تبدیل ہو گی اور اسلام دنیا میں ضرور غالب اور قائم ہو گا۔ اس لیے کہ نظامِ حیات کے حوالے سے آج دنیا میں بہت اندھیرا ہے۔ نوعِ انسانی نظامِ عدلِ اجتماعی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ انسان نے اس مقصد کے لیے بہت قلابازیاں کھائی ہیں مگر اس کے باوجود اسے ہنوز کسی نظام سے بھی عدل اور انصاف نہیں مل سکا۔ فرانس کے انقلاب کے ذریعے انسان ملوکیت اور جاگیرداری کے خونی پنجے سے نکلا تو سرمایہ دارانہ نظام کے ذریعے سرمایہ داروں کے ہتھے چڑھ گیا۔ پہلے جاگیردار مسلط تھا' تو اب بدترین شکل میں سرمایہ دار مسلط ہو گیا۔ اس کے بعد ردِّعمل میں کمیونزم آیا مگر وہ بھی سراب ثابت ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اپنی ''جنم بھومی'' روس ہی میں دفن ہو گیا۔

آج سرمایہ دارانہ نظام گلوبل ہو رہا ہے' مگر بالآخر یہ بھی ختم ہو گا اور شرعِ پیغمبر پر مبنی نظام پوری دنیا پر قائم و نافذ ہو گا۔ مشہور مفکر فوکویاما نے اپنی کتاب ''End of History'' میں یہ دعویٰ کیا کہ تاریخ انسانی میں جو اونچا مقام حاصل ہو سکتا تھا وہ ہم حاصل کر چکے' کمیونزم کا خاتمہ ہو گیا' لہٰذا اب کوئی نظام ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اس کے جواب میں پاکستانی صحافی عابد اللہ جان نے کتاب ''End of Democracy'' لکھی کہ مغرب کا جمہوری نظام بھی بالآخر ختم ہو گا اور پوری دنیا میں اسلامی جمہوریت اور اسلامی سوشلزم پر مبنی کامل اسلامی نظام نافذ ہو گا۔ سوشلزم میں جو خیر تھا وہ اسلام نے پہلے دن انسان کو

بنیادی ضرورتیں فراہم کر کے دے دیا۔ اگر مسلمان ملکوں نے اس نظام کو اختیار نہیں کیا تو مجرم ہم مسلمان ہیں۔ اس وقت دنیا میں سکینڈے نیوین ممالک کا سوشلزم چوٹی پر سمجھا جاتا ہے' جبکہ اسلام کا تصورِ سوشلزم اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ چوٹی کی جمہوریت بھی اسلام کا اعجاز ہے کہ جس میں ایک بوڑھی عورت خلیفہ وقت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھرے مجمع میں ٹوک دیتی ہے کہ تم کون ہوتے ہو عورت کے حق مہر کی شرح مقرر کرنے والے' جبکہ یہ شرح اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر نہیں کی! جواب میں عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آج ایک بڑھیا نے عمر کو اسلام سکھا دیا۔ پھر اس حریت فکر کی مثال آج کہاں مل سکتی ہے کہ مجمع عام میں ایک صاحب اٹھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کُرتے کا حساب طلب کرتے ہیں' اور آپؓ کو پوری وضاحت کرنا پڑتی ہے۔

الحذر آئینِ پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن' مرد آزما' مرد آفریں

ذرا اندازہ لگائیے کہ ابلیس اور موجودہ زمانے کی ابلیسی قوتیں آج آئین پیغمبر سے کس انداز میں پناہ طلب کر رہی ہیں۔ اس آئین پیغمبر کی ایک جھلک پیدا ہونے کی امید افغانستان میں پیدا ہوئی تھی کہ ابلیس کی ذریت معنوی امریکہ' اس کے حواریوں اور اس کے ایجنٹ مسلم حکمرانوں نے مل کر اُس چراغ کو فوراً گل کر دیا۔ صومالیہ میں اسلام پسندوں نے اپنے ملک کے امریکی ایجنٹوں کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا تو پہلے مقامی فوج اور پھر ایتھوپیا کی فوج کے ذریعے انہیں کچل کر رکھ دیا گیا۔ ایتھوپیا کی فوج کی امریکہ نے خود تربیت کی ہے۔ رہی سہی کسر امریکہ کے طیاروں نے بمباری کر کے پوری کر دی۔

اس آئین پیغمبر کے اجزاء کیا ہیں۔ اوّلاً یہ حافظ ناموسِ زن ہے۔ ثانیاً مرد آزما اور ثالثاً مرد آفرین ہیں۔ اسلام کا معاشرتی نظام عورت کی عزت اور عصمت کا محافظ ہے۔ اس کے لیے اسلام نے تین پردے عطا کیے ہیں۔ پہلا پردہ مخلوط معاشرت کی نفی ہے۔ یعنی معاشرے میں اختلاطِ مرد و زن نہ ہو۔ مرد اور عورتیں الگ الگ دائرہ کار میں رہیں۔ آج جو یہ تصور ہے کہ مرد اور عورت شانہ بشانہ ہونے چاہئیں یہ تصور اسلام کی ضد

ہے۔عورت کے لیے دوسرا پردہ گھر کے اندر کا ہے اور اس میں عورت محرم مردوں کے سامنے اپنے چہرے کی ٹکیا اور ہاتھ پاؤں کھلے رکھ سکتی ہے مگر اس کے علاوہ پورے جسم کو ڈھانپ کر رکھے۔تیسرا پردہ گھر سے باہر کا ہے اور اس میں حکم یہ ہے کہ عورت برقعہ یا کسی بڑی چادر کے ذریعے آنکھوں کے علاوہ اپنا پورا جسم ڈھانپ کر رکھے۔اس پردے کو چھوڑنے کی وجہ سے ہمارے معاشرے میں بے راہ روی کا دور دورہ ہے۔عالمِ کفر ان پردوں کا خاتمہ کر کے عورت کو گھر سے باہر نکالنا چاہتا ہے اور آج اس مقصد میں وہ بہت حد تک کامیاب بھی ہو چکا ہے۔

آئینِ پیغمبر کی ایک دوسری خصوصیت یہ ہے کہ گھر کی معاش کی ذمہ داری مرد پر ہے۔ یہ ذمہ داری عورت پر نہیں ڈالی گئی۔شادی ہو گی تو حق مہر بھی مرد ادا کرے گا۔ شادی کی واحد دعوتِ طعام ''ولیمہ'' بھی لڑکے والوں کی ذمہ داری ہے۔شادی کے موقع پر لڑکی والوں کی جانب سے کسی دعوتِ طعام کا اسلام میں تصور نہیں ہے۔مرد آفریں یعنی ملکی دفاع بھی مردوں کی ذمہ داری ہے' اور یہ صرف استثنائی صورت میں ہو سکتا ہے کہ عورتیں بھی اس میں حصہ لیں۔

موت کا پیغام ہر نوعِ غلامی کے لیے
ئے کوئی فغفور و خاقاں' نے فقیرِ رہ نشیں

اسلام میں نہ کوئی انسان حاکم ہے اور نہ محکوم ہے' نہ کوئی آقا ہے اور نہ غلام ہے۔ حاکمِ مطلق اللہ ہے اور انسان ہونے کے ناطے تمام انسان برابر ہیں۔حضرت عمر فاروق ؓ کے دورِ خلافت میں ایک گورنر نے اپنے گھر کے باہر ڈیوڑھی بنا لی اور ایک دربان کھڑا کر دیا۔خلیفۂ راشد کو جب اس کی خبر ملی تو گورنر کے نام ایک خط لکھا اور پیغام رساں کو روانہ کرتے ہوئے کہا کہ پہلے جاتے ہی ڈیوڑھی کو آگ لگانا اور پھر میرا خط گورنر کو تھمانا۔اُس خط میں حضرت عمر فاروق ؓ نے لکھا تھا ''انسانوں کو ان کی ماؤں نے آزاد جنا ہے' تم نے انہیں غلام کب سے بنا لیا ہے؟'' یہ ہے حقیقی انسانی مساوات اور حقیقی جمہوریت' جو غلامی اور محکومی کے لیے موت کا پیغام ہے۔

کرتا ہے دولت کو ہر آلودگی سے پاک و صاف
منعموں کو مال و دولت کا بناتا ہے امیں

آئین پیغمبر ﷺ دولت کو تمام آلودگیوں اور گندگیوں سے پاک کرتا ہے۔ وہ آلودگیاں اور گندگیاں کیا ہیں؟ سب سے پہلے سود اور دوسرے نمبر پر جوا اور سٹہ ہیں۔ اسلام اپنے نظامِ معیشت میں مالداروں کو صدقات کی تلقین اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے' اور بتاتا ہے کہ انسان کے پاس جو کچھ بھی ہے وہ اللہ کی امانت ہے اور انسان جو کچھ بھی حاصل کرتا ہے وہ محض اس کی محنت کا نتیجہ نہیں ہوتا' بلکہ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل بھی شامل ہوتا ہے۔ فضل سے مراد وہ شے ہے جو کسی استحقاق کے بغیر عطا ہو' جبکہ اس کے برعکس اجرت اور اجر استحقاق کی بنیاد پر ملتے ہیں۔ بندۂ مؤمن کو کبھی یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ اُسے جو کچھ ملا ہے وہ سب اس کی محنت یا ذہانت کا نتیجہ ہے' بلکہ وہ یہ خیال کرے کہ یہ اللہ کا فضل ہے۔

اس سے بڑھ کر اور کیا فکر و عمل کا انقلاب
بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

یعنی یہ کہ ؎

وہ خدایا! یہ زمیں تیری نہیں' تیری نہیں!
تیرے آبا کی نہیں' تیری نہیں' میری نہیں!

مطلب یہ کہ زمین خدا کی ملکیت ہے۔ مسئلہ ملکیت زمین کے ضمن میں اسلام کا اصول ہے کہ جو زمین بنجر پڑی ہے وہ اس شخص کی ہے جو اس کو قابل کاشت بنائے۔ ایسا شخص اس کا مالک ہے' اور اگر کوئی شخص کسی زمین کو تین سال تک کاشت نہیں کرتا تو اس کی ملکیت کا دعویٰ ختم ہو جائے گا۔ یہ موقف امام اعظم ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا ہے۔ اگرچہ امام اعظم کے شاگردوں امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ نے کچھ شرائط عائد کر کے مزارعت کے جواز کا فتویٰ دیا ہے لیکن ہمارے ملک میں مزارعت کا نظام اُن شرائط کو پورا نہیں کرتا۔ چنانچہ غیر حاضر زمینداری کی صورت میں کاشتکار یا مزارع سے اجرت لینا

سود لینے کے مترادف ہوگا۔

چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئیں تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مؤمن ہے محرومِ یقیں

موجودہ حالات کا جائزہ لے لیں کہ کس طرح سے عالم کفر اسلام کے خلاف متحد ہے۔ امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کئی مرتبہ کہہ چکا ہے کہ آئین پیغمبری یا نظامِ خلافت کو ہم قائم نہیں ہونے دیں گے۔ افغانستان میں اُس نظامِ عدلِ اجتماعی کی ایک معمولی سی جھلک دکھانے کی امید پیدا ہوئی تھی کہ ابلیس اور اس کے چیلوں نے اُسے فوراً ختم کر کے دم لیا۔ یہی معاملہ صومالیہ میں بھی ہوا ہے۔ دوسری جانب ابلیس اور اس کی ذریت کے لیے یہ امر بھی موجب اطمینان ہے کہ خود مسلمانوں کو ہی آئین پیغمبری پر صحیح معنوں میں یقین اور ایمان نہیں۔ انہیں پروا نہیں کہ اسلام کا بھی اپنا کوئی نظامِ عدلِ اجتماعی یا نظامِ خلافت ہے۔ اور اسی بے یقینی کا مظہر ہے کہ ہمارے اکثر پڑھے لکھے لوگ اور دانشور، بلکہ عام لوگ بھی کہتے پھرتے ہیں کہ سود کے بغیر ہمارا نظام چل ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح عورت کو معیشت کی گاڑی میں نہ جوتا گیا تو ہم ترقی نہیں کر سکیں گے۔ پردہ تو زمانۂ جاہلیت کی علامت ہے اور یہ ترقی کے راستے کی رکاوٹ ہے۔ مخلوط معاشرت کے بغیر گھٹن کا ماحول ہے اور اگر سیکولر مغربی جمہوریت اور سرمایہ دارانہ نظام کو اختیار نہ کیا گیا تو ہم پتھر کے زمانے میں پہنچ جائیں گے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہے یہی بہتر الٰہیات میں اُلجھا رہے
یہ کتابُ اللہ کی تاویلات میں اُلجھا رہے

ابلیس اور اُس کی ذریت کی یہ خواہش ہے کہ مسلمان صرف کتاب اللہ یعنی قرآن حکیم کی تاویلات اور اس کی لفظی بحثوں میں اُلجھا رہے اور اُن کی نظروں سے قرآن کا آفاقی اور انقلابی پیغام پوشیدہ ہی رہے۔ موجودہ حالات میں آپ اُمتِ محمدیہ ﷺ کا جائزہ لے لیں کہ روزانہ مساجد اور گھروں میں قرآن کی تلاوت کس قدر زور و شور سے ہو رہی ہے۔ مساجد اور مدارسِ دینیہ میں قرآن کانفرنسوں کا اہتمام ہوتا ہے۔ قرآن کی

اشاعت و طباعت کس قدر شاندار ہوتی ہے۔ سونے کے تاروں سے لکھے گئے قرآن پاک کے نسخے دنیا میں موجود ہیں۔ حج کے موقع پر حجاج کرام کو سعودی حکومت مقامی زبانوں کے تراجم والے قرآن کے نسخے ہدیہ کرتی ہے۔ اس سب کے باوجود کتنے لوگ ہیں جو قرآن کے انقلابی پیغام کو سمجھ کر اُس کی اشاعت و تبلیغ اور اُس کے قیام کے لیے تن من دھن لگا رہے ہیں؟ ہم تو قرآن کا صرف یہی مصرف سمجھتے ہیں کہ اُسے برکت کے لیے بہترین ریشمی غلاف چڑھا کر گھر میں کسی اونچی جگہ پر رکھ دیا جائے، بچی کی رخصتی کے وقت اُسے اس کے نیچے سے گزار دیا جائے اور اسے عدالتوں میں قسم اُٹھانے کے لیے استعمال کیا جائے۔ قرآن تو کتابِ ہدایت ہے، کتابِ انقلاب ہے، مگر اسے محض ایصالِ ثواب کا ذریعہ اور فال نکالنے والی کتاب بنا دیا گیا ہے۔ ہمارے نزدیک قرآن کی بس یہی غرض و غایت رہ گئی ہے۔

توڑ ڈالیں جس کی تکبیریں طلسم شش جہات
ہو نہ روشن اُس خدا اندیش کی تاریک رات!

ابلیس کہتا ہے کہ اس بات کا خاص خیال رکھو کہ خدا کے تصور کو روکنے والے مرد مسلمان کی تاریک راتیں کہیں روشن نہ ہو جائیں اور دنیا میں کہیں توحید، مساواتِ انسانی، حریت و آزادی اور انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرنے والا نظام دوبارہ نہ آ جائے۔ پھر یہ جہاں نورِ توحید سے منور نہ ہو جائے اور مردِ مسلماں کی تکبیروں سے ہمارا شش جہتی (six dimensional) جادو بکھر کر نہ رہ جائے۔

اقبال نے ابلیس کی زبان میں مسلمانوں کو الجھانے کے لیے جن مسائل کا تذکرہ کیا ہے وہ خالصتاً ان کے اپنے زمانے کے مسائل ہیں۔ وہ مسائل اُس دور میں جھوٹی نبوت کے مدعی اور کاذب مرزا غلام احمد قادیانی ملعون کے پیروکاروں نے بہت شد و مد کے ساتھ کھڑے کیے تھے۔ اب وہ مسائل ملاحظہ فرمائیں:۔

ابن مریم مر گیا یا زندۂ جاوید ہے؟
ہیں صفاتِ ذاتِ حق، حق سے جدا یا عینِ ذات؟

قادیانی جماعت کی جانب سے ایک فتنہ یہ بھی اُٹھایا گیا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں اُٹھائے گئے' بلکہ وہ فوت ہو چکے ہیں اور ان کی قبر کشمیر میں ہے۔ اور مرزا غلام احمد قادیانی آنجہانی نے خود یہ دعویٰ کر دیا کہ جس مسیح کے دوبارہ نزول کی خبریں ہیں وہ میں ہوں (نعوذ باللہ!)۔ اس کے مقابلے میں ہم مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اُٹھایا گیا ہے اور قربِ قیامت میں وہ واپس آئیں گے اور امام مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مل کر کفر کی طاقتوں کے خلاف جنگوں میں حصہ لیں گے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت کا انکار کرنے والی قومِ یہود کا قلع قمع کر دیں گے۔ دوسرے مصرع کے مسائل کا تذکرہ اس سے قبل ہو چکا ہے۔

آنے والے سے مسیح ناصری مقصود ہے
یا مجدد' جس میں ہوں فرزندِ مریم کے صفات؟

اب جو دنیا میں واپس آئے گا وہ مسیح ناصری ہو گا یا مجدد ہو گا جس میں فرزند مریم کی صفات ہوں گی؟ یہ سارے مسائل مرزا غلام احمد قادیانی نے قادیانیت کے فتنے کو پھیلانے اور اس اُمت کو نقصان پہنچانے کے لیے اُٹھائے تھے۔ اُس زمانے میں قادیانیت کو بہت فروغ بھی حاصل ہوا۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے لوگ اس فتنے کی نذر ہو گئے۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ سر ظفر اللہ خان قادیانی تھا اور پاکستان کی جانب سے پہلا اور واحد نوبل انعام پانے والا سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام بھی قادیانی تھا۔ آغاز میں خاص طور پر پنجاب میں قادیانیت کو بہت فروغ حاصل ہوا اور اس کی وجہ شاید وہ پنجابی نفسیات ہے جس کا ذکر اقبال نے ''ضربِ کلیم'' میں ''پنجابی مسلمان'' کے عنوان سے لکھے گئے اشعار میں کیا ہے کہ: ؎

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد
تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد

تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

قادیانی فتنے کا سربراہ مرزا غلام احمد آریاؤں اور ہندوؤں سے مناظروں کی وجہ سے بہت شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ شروع میں اقبال نے اس کی تعریف کر دی' مگر بعد میں جب حقیقت معلوم ہوئی تو آپ نے اس کی تکفیر کی۔ جب آپ سے پوچھا گیا کہ آپ پہلے قادیانیت سے متاثر ہوئے اور بعد میں اس کے مخالف ہو گئے؟ تو علامہ اقبال نے جواب میں فرمایا:Only stones do not change (صرف پتھر ہیں جو تبدیل نہیں ہوتے۔)

ہیں کلام اللہ کے الفاظ حادث یا قدیم
اُمتِ مرحوم کی ہے کس عقیدے میں نجات؟
کیا مسلماں کے لیے کافی نہیں اس دور میں
یہ الٰہیات کے ترشے ہوئے لات و منات؟

درج بالا اشعار میں ایک قدیم مسئلہ کا تذکرہ ہے اور یہ مسئلہ عباسی دورِ خلافت میں شروع ہوا تھا کہ قرآن حکیم مخلوق ہے یا غیر مخلوق؟ اور اس کے الفاظ قدیم ہیں یا حادث؟ عباسی خلافت میں قرآن کو جب مخلوق قرار دیا گیا تو اُس وقت کے مردِ مجاہد امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ اس مسئلہ کے خلاف سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن گئے اور اُس دور کی ''روشن خیالی'' کے خلاف اعلانِ بغاوت کرنے کی پاداش میں انہیں بے شمار مشکلات اور مصائب برداشت کرنا پڑے۔ اب بھی ابلیس کی یہ کوشش ہے کہ مسلمان اس کتاب کے فلسفیانہ مسائل میں الجھا رہے' تاکہ عمل کی طرف نہ آ سکے۔

تم اسے بیگانہ رکھو عالمِ کردار سے
تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مہرے ہوں مات!
خیر اسی میں ہے' قیامت تک رہے مؤمن غلام
چھوڑ کر اَوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات

آج دنیا میں مسلمانوں کی کیا حیثیت ہے؟ کثیر تعداد' بے شمار ممالک کے ہونے اور مالی و معدنی وسائل کی فراوانی کے باوجود اقوام عالم میں ہماری کوئی وقعت اور حیثیت نہیں ہے۔ جی سیون یا جی ایٹ ہو یا اقوام متحدہ' کسی بھی عالمی ادارے میں ہماری رائے کی کوئی اہمیت نہیں۔ موجودہ دور میں غلامی کی جو شکل آئی ہے' وہ ماضی کے دورِ غلامی سے بھی بدتر ہے۔ یہ ابلیسی نظام کی غلامی ہے' اور ابلیسیت کے ہتھیار آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک ہیں۔ ہماری حکومتیں قرضوں کے ملنے پر عوام کو یہ طفل تسلیاں دیتی ہیں کہ اب خوشحالی آئے گی' حالانکہ یہ بات وہ خود بھی جانتی ہیں کہ وہ بدحالی کی بدترین صورت پر خوشحالی کی ملمع کاری کر رہی ہیں۔ اور فی الحقیقت عالمی سودی مہاجن پوری قوم کا خون نچوڑ کر لے جا رہے ہیں۔

ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات!
ہر نفس ڈرتا ہوں اِس اُمت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات!
مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

ان اشعار میں اقبال نے ملت اسلامیہ کی بہترین نقشہ کشی کی ہے۔ افرادِ اُمت شعر و شاعری اور تصوف کے ایسے تصور میں مگن ہیں جو بے عملی کی تعلیم دیتا ہے' جو معاشرے کی اصلاح سے بے پروائی اور غفلت پیدا کرتا ہے' حالانکہ یہ وہ رویہ ہے جس کی حدیث قدسی میں شدید مذمت فرمائی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جا کر فلاں بستی کو اُس کے مکینوں سمیت اُلٹ دو۔ جبریل علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ! وہاں تو تیرا ایک ایسا بندہ بھی رہتا ہے جس نے پلک جھپکنے تک کا عرصہ بھی تیری معصیت میں نہیں گزارا۔ اس پر باری تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: بستی کو پہلے اس بدبخت پر الٹو بعد میں دوسروں پر' کیونکہ اس کا چہرہ کبھی میری حمیت میں متغیر نہیں ہوا۔ میرے احکامات ٹوٹنے

کی وجہ سے کبھی غیرتِ ایمانی سے اس کے ماتھے پر شکن نہیں پڑی۔ آج اُمت کی عظیم اکثریت کا حال یہ ہے کہ خدا کے احکامات اس کی آنکھوں کے سامنے توڑے جاتے ہیں' سنتوں کا تمسخر اڑایا جاتا ہے' قرآن کے الفاظ کو من پسند معنی پہنائے جاتے ہیں' شعائر اللہ کو مذاق بنا دیا گیا ہے' مگر اس پر کہیں بھی بے چینی اور بے قراری نہیں' اس کے خلاف جدوجہد نہیں ہو رہی۔ ہاں چلّے لگائے جا رہے ہیں' مراقبے ہو رہے ہیں' تصوف کی منازل طے کی جا رہی ہیں' تقرب بالنوافل کا اہتمام ہو رہا ہے۔ دنیا کس ڈھنگ سے چل رہی ہے' اس سے کوئی غرض نہیں۔ بے حیائی' فحاشی اور عریانی پھیل رہی ہے' کوئی پروا نہیں۔ بسنت میلے اور واہیات مخلوط میراتھن ریسز ہو رہی ہیں' مگر اللہ ہو' اللہ ہو کی ضربیں لگ رہی ہیں' جبکہ اللہ کو تو وہ مردِ مسلمان درکار ہیں جو حمیت دینی سے سرشار ہوں' جو اللہ کے لیے جینے اور اللہ کی خاطر مرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ اقبال کہتے ہیں:۔

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برھان
قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان
جس سے جگر لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان!

کہاں ہیں آج ایسے مسلمان؟ آج تو بڑی بڑی مسندیں ہیں۔ بڑے بڑے سلاسل کے سجادہ نشین ہیں۔ بڑے جُبّوں اور قبوں والی شخصیات ہیں۔ کہاں ہیں وہ لوگ جن کا تذکرہ اقبال نے اپنی نظم ''امامت'' میں کیا ہے:۔

تو نے پوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے
حق تجھے میری طرح صاحب اَسرار کرے
ہے وہی تیرے زمانے کا امامِ برحق
جو تجھے حاضر و موجود سے بیزار کرے!

موجودہ حالات میں ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اسلام کے نظامِ عدلِ اجتماعی کو سمجھیں اور اس کے غلبے کے لیے اپنا تن من دھن لگا دیں۔ یہ دین بالآخر غالب ہو کر رہے گا' یہ شدنی ہے' کیونکہ اس کی پیشین گوئی اللہ کے رسول ﷺ نے فرمائی ہے۔ بقول اقبال:

شب گریزاں ہو گی آخر جلوۂ خورشید سے
یہ چمن معمور ہو گا نغمۂ توحید سے!

مگر اسلام کی نشاۃِ ثانیہ اور اس کے نظامِ عدلِ اجتماعی کا قیام مروّجہ تصوف یا انتخابی جدوجہد کے راستے سے نہیں ہو گا۔ اس کے لیے ہمیں انقلاب کے نبویؐ منہاج (علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام) کو پورے شعور و ادراک کے ساتھ اختیار کرنا ہو گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی ہمت اور توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

قرآن کے سیاسی تصورات

انجینئر نوید احمد☆

☆اکیڈمک ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کراچی

مورخہ ۵/مارچ ۲۰۰۸ء کو انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی اسلام آباد کے ذیلی ادارے ''الدعوہ اکیڈمی'' نے ''قرآن کے سیاسی تصورات'' کے موضوع پر لیکچر کی دعوت دی۔ یہ لیکچر اکیڈمی کے کراچی مرکز میں ایک بیس روزہ کورس کے شرکاء کے سامنے دیا گیا۔ لیکچر میں موضوع کے حوالے سے جو نکات پیش کیے گئے وہ ماہنامہ میثاق کے قارئین کے استفادے کے لیے تحریر کیے جا رہے ہیں۔

(۱) اسلام مذہب نہیں، دین ہے

قرآنِ کریم ہمیں رہنمائی دیتا ہے کہ اسلام مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔

﴿ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ قف﴾ (آلِ عمران:۱۹)

''بے شک اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے''۔

﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا ط﴾ (المائدۃ: ۳)

''آج کے دن میں نے مکمل کر دیا تمہارے لیے تمہارا دین اور میں نے پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور میں نے پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو بطورِ دین''۔

مذہب کا تعلق انسان کی انفرادی زندگی سے ہوتا ہے اور یہ تین امور سے بحث کرتا ہے، یعنی عقائد، عبادات اور رسومات، جبکہ دین زندگی کے انفرادی گوشوں کے ساتھ ساتھ اجتماعی گوشوں سیاست، معیشت اور معاشرت کے لیے بھی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

سیاست دین کے اجتماعی پہلو کا ایک اہم شعبہ ہے جس کے معنی ہیں اجتماعی امور کی تدبیر و انتظام کرنا۔ حدیثِ مبارکہ ہے:

((کَانَتْ بَنُوْ اِسْرَائِیلَ تَسُوْسُھُمُ الْاَنْبِیَاءُ، کُلَّمَا ھَلَکَ نَبِیٌّ خَلَفَہٗ نَبِیٌّ، وَاَنَّہٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ)) (بخاری و مسلم)

''بنی اسرائیل کی سیاست اُن کے انبیاءؑ کرتے تھے۔ جب ایک نبیؑ کا انتقال ہو جاتا تو دوسرے نبیؑ اُن کے جانشین بن جاتے''۔

اور بقول اقبال:ؔ

جلالِ پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

سیاست کی دو اقسام ہیں، انتخابی سیاست اور انقلابی سیاست۔ انتخابی سیاست کا مقصد ہوتا ہے حکومت کی تبدیلی، اور اِس کے ذریعے نظام میں جزوی اصلاح ہوتی ہے، جبکہ انقلابی سیاست کا ہدف ہے نظام کی تبدیلی اور یہ کُل نظام کی اصلاح چاہتی ہے۔

(۲) حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی ہے

قرآنِ حکیم میں یہ حقیقت بار بار بیان کی گئی ہے کہ حاکمیت صرف اور صرف اللہ کی ہے:

﴿ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ ط ﴾ (الانعام :۵۷، یوسف : ۶۷)

''حکم دینے کا اختیار کسی کے لیے نہیں سوائے اللہ کے''۔

﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ﴾(یوسف: ٤٠)

''حکم دینے کا اختیار کسی کے لیے نہیں سوائے اللہ کے۔ اُس نے حکم دیا ہے کہ تم بندگی نہیں کرو گے مگر صرف اُسی کی۔ یہی ہے سیدھا دین''۔

﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (الشوریٰ: ١٠)

''اور جس چیز کے بارے میں بھی تم اختلاف کرتے ہو تو اُس کا فیصلہ اللہ تعالیٰ ہی کی طرف ہے''۔

﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۚ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ﴾ (آلِ عمران: ٢٦)

''(اے نبیؐ) آپؐ یوں کہیے: اے اللہ! کل بادشاہت کے مالک! تو جس کو چاہتا ہے بادشاہت عطا فرماتا ہے اور تو جس سے چاہتا ہے بادشاہت چھین لیتا ہے، اور تو جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور تو جسے چاہتا ہے ذلیل کر دیتا ہے''۔

بقول اقبال:۔

سروری زیبا فقط اُس ذاتِ بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اِک وہی باقی بتانِ آزری!

(٣) اللہ تعالیٰ کو حاکم تسلیم نہ کرنا کفر، شرک اور بغاوت ہے

قرآنِ حکیم اللہ کو حاکم تسلیم نہ کرنے والوں کو کافر، مشرک اور باغی قرار دیتا ہے:

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿٤٤﴾﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ ظالم (یعنی مشرک) ہیں''۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿٤٧﴾﴾ (المائدۃ)

''اور جو اللہ کی نازل کی ہوئی (کتاب) کے مطابق فیصلہ نہیں کرتے تو ایسے ہی لوگ فاسق (یعنی باغی) ہیں''۔

(٤) انسانی حاکمیت کا تصور نہ صرف شرک بلکہ اللہ کے خلاف بغاوت ہے

مطلق العنان بادشاہت، آمریت یا رائج الوقت جمہوری نظام کی بنیاد انسانی حاکمیت کے تصور پر ہے، اور یہ نہ صرف شرک بلکہ اللہ کے خلاف بغاوت ہے۔

﴿لَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ (بنی اسرائیل: ١١١)

''حکومت میں اُس (اللہ) کا کوئی شریک نہیں ہے''۔

﴿وَلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ﴿٢٦﴾﴾ (الکھف)

''اور وہ (اللہ) اپنے حکم میں کسی کو شریک نہیں کرتا''۔

قرآن کی رُو سے جو کوئی بھی اپنی حاکمیت کا مدعی ہوگا وہ گویا خدائی کا دعوے دار ہے۔ فرعون کا دعویٰ تو یہی تھا:

﴿اَلَيْسَ لِيْ مُلْكُ مِصْرَ وَهٰذِهِ الْاَنْهٰرُ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِيْ ۚ﴾ (الزُّخرف: ٥١)

''کیا مصر پر میری فرماں روائی نہیں؟ اور کیا یہ نہریں میرے زیرِ فرمان رواں نہیں ہیں؟''

اِس بنیاد پر اُس نے سب سے بڑا ربّ ہونے کا اعلان کر دیا:

﴿فَقَالَ اَنَا رَبُّكُمُ الْاَعْلٰى ﴿٢٤﴾﴾ (النّٰزعٰت)

''پھر کہنے لگا کہ میں ہوں تمہارا سب سے بڑا مالک''۔

انسانی ''حاکمیت'' کا تصور ایک نجاست ہے۔ اب خواہ نجاست کا یہ ٹنوں وزنی ٹوکرا کسی ایک شخص کے سر پر رکھ دیا جائے یا تولہ تولہ ماشہ ماشہ کر کے اس نجاست کو جمہور پر تقسیم کر دیا جائے یہ نجس کا نجس ہی رہے گا۔ پہلے انسانی حاکمیت کا دعوے دار فرعون اور نمرود کی طرح کوئی ایک شخص ہوتا تھا اور اب جمہوریت کے تحت گندگی کے اِس ٹوکرے کو تقسیم کر کے کئی اراکینِ اسمبلی کے سروں پر رکھ دیا گیا ہے۔ حقیقت میں جمہوریت ایک دھوکہ، فریب اور بادشاہت ہی کا چربہ ہے۔ اقبال کی معرکۃ الآراء نظم ''ابلیس کی مجلسِ شوریٰ'' میں ابلیس کا ایک مشیر کہتا ہے:

ہم نے خود شاہی کو پہنایا ہے جمہوری لباس
جب ذرا آدم ہوا ہے خود شناس و خود نگر
کاروبارِ شہریاری کی حقیقت اور ہے
یہ وجودِ میر و سلطاں پر نہیں ہے منحصر
مجلسِ ملت ہو یا پرویز کا دربار ہو
ہے وہ سلطاں غیر کی کھیتی پہ ہو جس کی نظر

(۵) شریعت کے بجائے اپنے قوانین نافذ کرنے والے طاغوت ہیں

سورۃ النساء میں منافقین کی مذمت اِن الفاظ میں کی گئی:

﴿اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۶۰﴾

''(اے نبیؐ) کیا آپؐ نے اُن لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں اُس (کتاب) پر جو (اے نبیؐ) آپؐ پر نازل ہوئی اور اُن (کتابوں) پر جو آپؐ سے پہلے نازل ہوئیں، (لیکن) چاہتے یہ ہیں کہ اپنے فیصلے طاغوت سے کرائیں حالانکہ اُنہیں حکم دیا گیا تھا کہ اُس (طاغوت) کا انکار کر دیں۔ اور شیطان (تو یہ) چاہتا ہے کہ اُن کو بہت دور کی گمراہی میں ڈال دے''۔

اِس آیت کی رُو سے اپنے فیصلے نافذ کرنے والے طاغوت ہیں اور جو نام نہاد مسلمان اس طاغوت سے اپنے مقدمات کا فیصلہ کرانے پر تلے ہوئے ہیں وہ منافق ہیں۔

اللہ نے ہر اُمت میں اپنے رسول بھیجے تا کہ لوگوں کو طاغوت کی غلامی سے باز رکھا جائے:

﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ۚ﴾ (النحل : ٣٦)

''اور ہم نے ہر اُمت میں رسول بھیجا کہ اللہ ہی کی بندگی کرو اور سرکشوں (کی بندگی) سے اجتناب کرو''۔

جن لوگوں نے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے طاغوت کی غلامی سے اجتناب کیا اُنہیں اللہ نے اپنا بندہ قرار دیا اور اجر و ثواب کی بشارتوں کی نوید سنائی:

﴿وَالَّذِيْنَ اجْتَنَبُوا الطَّاغُوْتَ اَنْ يَّعْبُدُوْهَا وَاَنَابُوْٓا اِلَى اللّٰهِ لَهُمُ الْبُشْرٰى ۚ فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝۱۷﴾ (الزُّمَر)

''اور جنہوں نے اِس سے اجتناب کیا کہ سرکشوں کی بندگی کریں، اور اللہ کی طرف پلٹے تو اُن کے لیے بشارت ہے۔ (اے نبیؐ) میرے بندوں کو بشارت دیجیے''۔

(۶) اللہ تعالیٰ کی حاکمیت والے نظام کو قائم کرنا ہماری دینی ذمہ داری ہے

قرآنِ کریم نے حکم دیا کہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت والے نظام کو قائم کرنے کے لیے جان و مال کی بازی لگا دو:

﴿وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۹۳)

''اور اِن سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین ہو جائے اللہ کے لیے''۔

﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ ۚ﴾ (الانفال:۳۹)

''اوران سے جنگ کرو یہاں تک کہ فتنہ نہ رہے اور دین کل کا کل ہو جائے اللہ کے لیے''۔

﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ ۭ﴾ (الشوریٰ:۱۳)

''تمہارے لیے اللہ تعالیٰ نے دین کے حوالے سے وہی چیز طے کر دی ہے جس کی اُس نے وصیت کی تھی نوحؑ کو اور جس کی وحی کی ہے (اے نبیؐ) ہم نے آپ کو اور جس کی وصیت ہم نے کی تھی ابراہیمؑ اور موسیٰؑ اور عیسیٰؑ کو کہ دین کو قائم کرو اور اِس معاملے میں تفرقے میں مت پڑو''۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاۗءَ لِلّٰهِ﴾ (النساء:۱۳۵)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھڑے ہو جاؤ عدل کے علمبردار بن کر اللہ کے لیے گواہ بنتے ہوئے''۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَاۗءَ بِالْقِسْطِ ۡ﴾ (المائدۃ:۸)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھڑے ہو جاؤ اللہ کے لیے عدل کے گواہ بن کر''۔

(۷) اللہ کی حاکمیت رسول کی اطاعت کے ذریعے قائم ہوتی ہے

حاکمیت صرف اللہ کی ہے، البتہ اللہ کی اطاعت رسول ﷺ کی اطاعت ہی کے ذریعے ہوتی ہے:

﴿مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ﴾ (النساء: ۸۰)

''جس نے رسول (ﷺ) کی اطاعت کی تو اُس نے اللہ ہی کی اطاعت کی''۔

لہٰذا اسلامی ریاست میں قرآن اور سنت دونوں کی پیروی کرنا ہوگی۔ اِس حقیقت کی بہترین ترجمانی پاکستان کے دستور میں قراردادِ مقاصد کی صورت میں موجود ہے کہ:

"No legislation will be done repugnant to the Quran and the Sunnah"

''کوئی قانون سازی ایسی نہ ہوگی جو قرآن وسنت سے متصادم ہو''۔

اِن الفاظ کے ذریعے یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ ''ہر شے اِسلام میں حلال ہے جب تک اُس کا حرام ہونا قرآن وسنت سے ثابت نہ کر دیا جائے''۔ اِسلام کی یہ ترجمانی درست نہیں ہے کہ ''اِسلام میں ہر شے حرام ہے جب تک اُس کا حلال ہونا قرآن وسنت سے ثابت نہ کیا جائے''۔

(۸) بندوں کے لیے حاکمیت نہیں خلافت ہے

قرآن کی رُو سے بندوں کے لیے حاکمیت نہیں خلافت ہے۔

﴿يٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ فَاحْكُمْ بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ﴾ (صٓ:۲۶)

''اے داؤدؑ! ہم نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے، پس تم لوگوں کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ نے وعدہ کیا ہے تم میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے کہ انہیں لازماً زمین میں خلافت دے گا''۔

(۹) خلافت کا منصب اہل فرد کو دیا جائے اور وہ عدل کرے

قرآنِ حکیم حکم دیتا ہے کہ خلافت کا منصب اہل فرد کو دیا جائے۔ عوام خلافت کے منصب کے لیے اہل فرد کے حق میں رائے دیں اور منصب دار ماتحت مناصب پر اہل افراد کا تقرر کرے۔ کسی بھی منصب پر فائز فرد عدل کے ساتھ فیصلے کرے۔

﴿اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ﴾ (النساء : ۵۸)

''بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم امانتیں لوٹایا کرو اُن لوگوں تک جو ان کے اہل ہیں' اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ فیصلہ کرو''۔

(۱۰) صاحبانِ اختیار پر لازم ہے کہ حدود سے تجاوز نہ کریں

خلیفہ اور ماتحت مناصب پر فائز افراد پر لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول ﷺ کی طے کردہ حدود سے تجاوز نہ کریں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝۱﴾ (الحُجُرٰت)

''اے مؤمنو! کسی معاملے کو اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) سے آگے نہ بڑھاؤ اور اللہ کی نافرمانی سے بچو۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

اِس آیت میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ جس طرح انفرادی زندگی کے ہر معاملے میں ایک مسلمان اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کے احکامات کا پابند ہے اِسی طرح ایک مسلمان معاشرہ اور اِسلامی ریاست بھی مادر پدر آزاد نہیں بلکہ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی پابند ہے۔ آیت کے دوسرے حصے میں تقویٰ کی تلقین کی گئی ہے۔ تقویٰ ہی اطاعت کی روح ہے' ورنہ اِس کے بغیر شریعت کے بڑے بڑے احکامات کو انسان حیلہ سازی کے ذریعے کھیل بنا لیتا ہے۔

(۱۱) فیصلے باہمی مشاورت سے کیے جائیں

جن معاملات میں اللہ یا رسول ﷺ کا واضح حکم موجود نہ ہو وہاں فیصلے باہمی مشاورت سے کیے جائیں گے۔

﴿وَاَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ ۖ ص﴾ (الشوریٰ:۳۸)

''اور اُن کا معاملہ طے ہوتا ہے باہمی مشورے کے ذریعے''۔

یہ حقیقت ہمیشہ سامنے رہے کہ اُمورِ ریاست چلانے کے لیے مشاورت کی صرف محدود آزادی بندوں کو دی گئی ہے' جس کی عمدہ وضاحت اِس حدیثِ نبویؐ میں موجود ہے:

((مَثَلُ الْمُؤْمِنِ وَمَثَلُ الْاِيْمَانِ كَمَثَلِ الْفَرَسِ فِي اَخِيَّتِهٖ)) (مسند احمد)

''مؤمن اور ایمان کی مثال اُس گھوڑے کی سی ہے جو ایک کھونٹے سے بندھا ہوا ہے''۔

جس طرح گھوڑا اپنی رسّی کی لمبائی کے برابر نصف قطر کے دائرے میں حرکت کر سکتا ہے' اِسی طرح ہم بھی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی طے کردہ حدود کے دائرے میں رہتے ہوئے اپنے معاملات باہمی مشورے سے طے کر سکتے ہیں۔

(۱۲) مشاورت کے بعد فیصلے کا اختیار خلیفہ کو حاصل ہے

مشاورت کے بعد فیصلہ کرنا خلیفہ کے اختیار میں ہوگا اور وہ اکثریت کی رائے پر عمل کرنے کا پابند نہیں ہوگا۔

﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ؕ﴾ (آلِ عمران:۱۵۹)

''اور اُن سے مشورہ کیجیے معاملات میں' پھر جب آپؐ (کسی کام کا) فیصلہ کر لیں تو بھروسہ کیجیے اللہ پر''۔

اِس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے معارف القرآن جلد دوم میں مفتی محمد شفیع صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:

''آیتِ مذکورہ پر غور فرمائیے' اِس میں رسولِ اکرم ﷺ کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ یعنی مشورہ کے بعد آپ ﷺ جب کسی جانب کو طے کر کے عزم کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے' اِس میں عَزَمْتَ کے لفظ میں عزم یعنی نفاذِ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا گیا' عَزَمْتُمْ نہیں فرمایا جس سے عزم و تنفیذ میں صحابہؓ کی شرکت معلوم ہوتی۔ اِس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو اُن کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے' حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہؓ موجود ہوتے تھے جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے۔ حضور اکرم ﷺ نے بہت مرتبہ حضراتِ شیخین صدیقِ اکبرؓ اور فاروقِ اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہ کے مقابلہ میں ترجیح دی''۔

مفتی محمد شفیع صاحبؒ آیتِ مذکورہ کی وضاحت میں مزید فرماتے ہیں:

''مسئلہ میں اگر اختلافِ رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اُس کو اختیار کرے؟ قرآن و حدیث اور رسول اکرم ﷺ اور صحابہؓ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اکثریتِ رائے کے فیصلہ کا پابند و مجبور ہے' بلکہ قرآنِ کریم کے بعض ارشادات اور حدیث اور تعاملِ صحابہؓ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلافِ رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے' خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے' البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لیے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اِسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اُس کے لیے سببِ اطمینان بن سکتا ہے''۔

اکثریت کے بارے میں قرآن کا دوٹوک فیصلہ ہے:

﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ۝۱۱۶﴾ (الانعام)

''اگر تم کہنا مانو گے زمین میں بسنے والوں کی اکثریت کا تو وہ تمہیں گمراہ کر دیں گے' وہ پیروی نہیں کرتے مگر گمان کی اور وہ نہیں ہیں مگر قیاس آرائیاں کرنے والے''۔

فیصلہ کرتے ہوئے امیر مشورہ دینے والوں کی تعداد کو نہیں بلکہ اُن کے علم' تجربہ اور اصابت رائے کو ترجیح دے گا۔ اِس کے برعکس جمہوری روایات کا معاملہ یہ ہے کہ:

جمہوریت اِک طرزِ حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں' تولا نہیں کرتے

اور:ے

گریز از طرزِ جمہوری ' غلامِ پختہ کارے شو
کہ از مغزِ دو صد خر فکرِ انسانے نمی آید!

(۱۳) مؤمن وہی ہے جو شریعت کے مطابق فیصلہ چاہے

عام مسلمانوں میں سے مؤمن وہی ہیں جو اپنے معاملات کے وہی فیصلے قبول کریں جو شریعت کے مطابق ہوں:

﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱﴾ (النور)

''اور یقیناً مؤمنوں کی بات تو یہ ہوتی ہے کہ جب وہ بلائے جاتے ہیں اللہ اور اُس کے رسول (ﷺ) کی طرف تا کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی' اور یہی وہ لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں''۔

جولوگ شریعت کے مطابق فیصلے نہیں چاہتے وہ منافق ہیں:

﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿٦١﴾﴾ (النساء)

''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اُس (کلام) کی طرف جو اللہ نے نازل کیا ہے اور آؤ رسول (ﷺ) کی طرف تو (اے نبیؐ) آپؐ دیکھیں گے منافقوں کو کہ وہ آپؐ کی طرف آنے سے ایسے رکتے ہیں جیسا کہ رکا جاتا ہے''۔

﴿وَاِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَاِنْ يَّكُنْ لَّهُمُ الْحَقُّ يَاْتُوْٓا اِلَيْهِ مُذْعِنِيْنَ ﴿٤٩﴾﴾ (النور)

''اور جب اُن کو بلایا جاتا ہے اللہ اور اُس کے رسولؐ کی طرف تا کہ وہ اُن کے درمیان فیصلہ کرے تو اُن میں سے ایک گروہ ہے جو اعراض کرنے والا ہے۔ اور اگر اُنہیں کچھ ملنا ہو تو وہ آجاتے ہیں پوری طرح سے قبول کرتے ہوئے''۔

(۱۴) اللہ تعالیٰ، رسول ﷺ اور صاحبانِ اختیار کی اطاعت کی جائے

عام مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ، رسول اکرم ﷺ کی اور اپنے میں سے اولوالامر یعنی صاحبانِ اختیار کی اطاعت کریں۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِىْ شَىْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿٥٩﴾﴾ (النساء)

''اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی اور اُن کی جو تم میں سے صاحب اختیار ہیں۔ پس اگر تم کسی معاملے میں جھگڑ پڑو تو اُس کو لوٹا دو اللہ اور رسولؐ کی طرف اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ یہی بہتر ہے اور یہی عمدہ ہے انجامِ کار کے اعتبار سے''۔

اِس آیت میں حسبِ ذیل امور کی طرف رہنمائی عطا کی گئی ہے:

☆ اطاعت کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ آیا ہے۔ گویا مطلق اطاعت صرف اللہ اور رسول ﷺ کی ہے۔

☆ اولوالامر کی اطاعت صرف اِس صورت میں ہے کہ یہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے تابع ہو۔ ارشادِ نبوی ﷺ ہے:

((لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِىْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ)) (ابو داؤد)

''مخلوقات میں سے کسی کی اطاعت جائز نہیں اگر اِس سے خالق کی نافرمانی ہو''۔

☆ اولوالامر سے اختلاف کی صورت میں قرآن وسنت سے رہنمائی کے حصول کا حکم دیا گیا ہے۔

☆ اُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ کے الفاظ واضح کرتے ہیں کہ اولوالامر کا مسلمانوں میں سے ہونا لازم ہے۔

(۱۵) اولوالامر کا تقرر مسلمانوں کی اجتماعی رائے سے ہوگا

انسانی تمدن کے ابتدائی دور میں اولوالامر کا مقام شیخ قبیلہ یا بادشاہ کو حاصل ہوتا تھا۔ نزولِ قرآن کے وقت تمدن ترقی کر کے ریاست کی سطح پر پہنچ گیا اور قرآن نے واضح کر دیا کہ اب خلافت شخصی نہیں بلکہ عوامی ہوگی:

﴿وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ﴾ (النور: ۵۵)

''اللہ نے وعدہ کیا تم میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان لائے اور جنہوں نے اچھے عمل کیے کہ انہیں لازماً زمین میں خلافت دے گا''۔

عوامی خلافت کا تقاضا ہے کہ اب اولوالامر کا انتخاب زیادہ سے زیادہ Broad Base ہونا چاہیے۔ زیادہ سے زیادہ شہریوں کی رائے کا اس میں عمل دخل ہو۔ امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ'' اَلْمُسْلِمُ كُفْوٌ لِكُلِّ مُسْلِمٍ ''یعنی'' قانونی ودستوری حقوق کے اعتبار سے تمام مسلمان برابر ہیں''۔ اسلامی ریاست میں ایسا نہیں ہوگا کہ ایک مسلمان متقی ہے لہٰذا اُس کے قانونی ودستوری حقوق کچھ زیادہ تسلیم کیے جائیں اور ایک فاسق وفاجر مسلمان کے حقوق کچھ کم ہوں۔ البتہ ذمہ داریاں سپرد کرنے میں شہریوں کے علم وعمل کے لحاظ سے اُن کے مابین امتیاز کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی ریاست میں ووٹ دینے کا حق تمام مسلمانوں کو حاصل ہوگا۔ یہ بات اسلامی تعلیمات سے ہم آہنگ ہونے کے ساتھ ساتھ روحِ عصر بھی ہے کہ زیادہ سے زیادہ لوگوں کو نظامِ حکومت میں شمولیت کا احساس ہو۔ خلیفہ عوام کا منتخب کردہ ہوگا اور اُس کی معاونت کے لیے

شوریٰ یا پارلیمنٹ بھی عوام کے منتخب کردہ نمائندوں پر مشتمل ہوگی جو اَمۡرُهُمۡ شُوۡرٰى بَيۡنَهُمۡ کے مطابق باہمی مشاورت سے قرآن وسنت کی روشنی میں قانون سازی کا عمل انجام دے گی۔

(۱۶) غیر مسلم جزیہ دیں گے اور چھوٹے بن کر رہیں گے

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کا معاملہ سورۃ التوبۃ کی روشنی میں طے کیا جائے گا:

﴿قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ ﴿۲۹﴾﴾

''جنگ کرو اہل کتاب میں سے اُن لوگوں سے جو ایمان نہیں رکھتے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور جو حرام نہیں ٹھہراتے اُس کو جو حرام ٹھہرایا ہے اللہ نے اور اس کے رسولؐ نے اور دین حق کو بطور دین قبول نہیں کرتے' یہاں تک کہ وہ اپنے ہاتھ سے جزیہ دیں اور وہ چھوٹے بن کر رہیں''۔

اسلامی نظام کے تحت مسلمانوں سے زکوٰۃ اور غیر مسلموں سے جزیہ (یعنی tax) وصول کیا جائے گا۔ غیر مسلم بھی اسلامی ریاست کے شہری ہوں گے اور ریاست اُن کی حفاظت اور سہولیات کی فراہمی کے لیے جزیہ لے گی۔ جزیہ کے ذریعے ریاست غیر مسلموں کو مندرجہ ذیل حقوق کی ضمانت دے گی:

(۱) اُن کی جان' مال اور عزت وآبرو اتنی ہی محفوظ ہوگی جتنی کسی مسلمان کی ہوتی ہے۔

(۲) اُن کو مکمل مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

(۳) اُن کی عبادت گاہوں کی حفاظت مساجد کی طرح کی جائے گی۔

سورۃ الحج کی آیت ۴۰ میں اللہ تعالیٰ نے اپنا ایک قانون بیان فرمایا:

﴿وَلَوۡلَا دَفۡعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعۡضَهُمۡ بِبَعۡضٍ لَّهُدِّمَتۡ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذۡكَرُ فِيۡهَا اسۡمُ اللّٰهِ كَثِيۡرًا ؕ﴾

''اور اگر اللہ تعالیٰ اس طرح سے مٹاتا نہ رہے لوگوں میں سے بعض کو بعض سے تو پھر ڈھا دیے جائیں راہب خانے اور گرجے اور عبادت گاہیں اور مسجدیں کہ جن میں اللہ کے نام کا ذکر کیا جاتا ہے کثرت سے''۔

اس آیتِ مبارکہ میں دوسری عبادت گاہوں کا ذکر پہلے ہے جبکہ مسجد کا ذکر آخر میں ہے۔

(۴) اُن کو اپنے personal laws پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہوگی' یعنی نکاح وطلاق اور وراثت کا نظام وہ اپنے مذہب کے مطابق طے کریں گے۔

(۵) اُنہیں یہ آزادی ہوگی کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو اپنی مذہبی تعلیمات جس طرح چاہیں پڑھائیں۔ البتہ اُنہیں مسلمانوں میں تبلیغ کی اجازت نہیں ہوگی۔

(۶) اُن کو جدید علوم کے حصول' تجارت کرنے اور صنعت وحرفت میں حصہ لینے کی مکمل آزادی ہوگی۔

(۷) اُن کو پورا موقع حاصل ہوگا کہ وہ اپنی اہلیت کی بنیاد پر سرکاری ملازمتیں حاصل کریں۔

غیر مسلموں کے چھوٹے بن کر رہنے کا مفہوم یہ ہے کہ اُن پر کچھ پابندیاں عائد ہوں گی جن کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کوئی غیر مسلم خلیفہ (سربراہِ مملکت) نہیں ہوسکتا۔

(۲) مقنّنہ یعنی قانون ساز ادارے کا رکن کوئی غیر مسلم نہیں بن سکے گا۔ اسلام میں قانون سازی کا دارومدار کتاب وسنت پر ہے اور جو شخص نہ کتاب اللہ کو مانے نہ سنت کو مانے وہ قانون سازی میں کیسے شریک ہوسکتا ہے!!

(۳) ریاست کی پالیسی بنانے والے اہم اداروں کی رکنیت بھی غیر مسلم کو نہیں دی جائے گی۔

(۴) غیر مسلموں کو اپنے مذاہب کی عمومی تبلیغ کی اجازت نہیں ہوگی۔

اسلام کے سیاسی نظام کے نفاذ کی عملی صورت

اسلام کے سیاسی نظام کے نفاذ کی عملی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ:

(۱) خلیفہ مسلمان ہوگا اور اُس کے لیے عمر، علمی استعداد، تدین، تجربہ اور اخلاقی معیار خصوصاً مالی معاملات کی شفافیت کے حوالے سے شرائط طے کی جائیں گی اور اِس کا انتخاب براہِ راست عوام کی آراء سے ہوگا۔ رائے دہندگان کی عمر کے حوالے سے کوئی قید لگائی جاسکتی ہے۔

(۲) پارلیمنٹ یا شوریٰ کا رکن منتخب ہونے کے لیے مسلمان ہونا اور ایک خاص علمی، دینی اور اخلاقی معیار خصوصاً مالی معاملات میں دیانت داری کا حامل ہونا لازم ہوگا۔

(۳) منتخب پارلیمنٹ یا شوریٰ قانون سازی کرے گی، لیکن اِس بات کو سامنے رکھتے ہوئے کہ یہ قرآن وسنت سے متصادم نہ ہو۔

(۴) اگر ریاست کا کوئی فرد سمجھتا ہے کہ پارلیمنٹ یا شوریٰ کا بنایا ہوا قانون قرآن وسنت سے متصادم ہے تو وہ عدالت سے رجوع کرے گا۔ عدالت علماء اور ماہرین کی آراء سے اِستفادہ کرکے فیصلہ کرے گی کہ آیا قانون سازی میں قرآن وسنت کی خلاف ورزی ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر ایسا ہوا ہے تو عدالت قانون کو کالعدم قرار دے کر پارلیمنٹ یا شوریٰ کو نیا قانون بنانے کا حکم دے گی۔

(۵) منتخب نمائندگان کے لیے مؤاخذہ (Impeachment) کا ایک مؤثر نظام بنانا ہوگا۔ مؤاخذے کا یہ نظام عہدِ حاضر میں ترقی یافتہ ممالک میں کافی مؤثر ہے۔ چنانچہ امریکہ میں صدر نکسن کے خلاف ابھی مؤاخذہ کی تحریک شروع ہوئی ہی تھی کہ وہ ازخود مستعفی ہوگیا۔ امریکہ میں آئین نے صدر کو جہاں بہت زیادہ اختیارات دیے ہیں وہیں Checks and Balances کے سخت نظام نے صدر کو خاصا جکڑ دیا ہے۔

(۶) مخلوط قومیت کی نفی کی جائے گی۔ غیر مسلم شہریوں پر کچھ پابندیاں ہوں گی اور اُن کی حیثیت protected Minority کی ہوگی۔

حرفِ آخر

سیاسی نظام کے اعتبار سے قرآنِ حکیم نے صرف اصول دیے ہیں، تفصیلات نہیں دی ہیں۔ قرآنِ حکیم کے طے کردہ اصولوں کی روشنی میں صدارتی نظام بھی اختیار کیا جاسکتا ہے اور پارلیمانی بھی۔ البتہ صدارتی نظام، پارلیمانی نظام کی نسبت عمرانی ارتقاء کی بلند ترین سطح پر ہے اور یہ پارلیمانی نظام کے مقابلہ میں نظامِ خلافت کے زیادہ قریب محسوس ہوتا ہے۔ اِس کی وجوہات حسبِ ذیل ہیں:

(۱) نظامِ خلافت کا آئیڈیل نمونہ خلافتِ راشدہ ہے۔ خلافتِ راشدہ میں اختیارات کا ارتکاز خلیفہ کی ذات میں تھا۔ عہدِ حاضر میں صدارتی نظام اِس کے بہت قریب پہنچ چکا ہے۔

(۲) صدر کو منتخب ہونے کے بعد اپنا منصب برقرار رکھنے کے لیے پارلیمنٹ کی اکثریت کے اعتماد کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ یکسو ہوکر کام کرسکتا ہے۔ پارلیمانی نظام میں یہ سب سے بڑی مصیبت ہے کہ پارلیمنٹ میں کسی بھی وقت کچھ ارکان وفاداریاں تبدیل کرسکتے ہیں اور وزیراعظم کو ہر وقت اُنہی کو راضی رکھنے کی فکر دامن گیر ہوتی ہے۔

(۳) جدید ریاست کے تینوں گوشے یعنی انتظامیہ، مقنّنہ (یعنی پارلیمنٹ) اور عدلیہ صدارتی نظام میں بالکل علیحدہ ہوتے ہیں۔ انتظامیہ کا سربراہ صدر ہوتا ہے جو مقنّنہ کا دست نگر نہیں ہوتا۔ مقنّنہ قانون سازی کا کام کسی خارجی دباؤ کے بغیر انجام دیتی رہتی ہے۔ عدلیہ پوری آزادی کے ساتھ آئین وقانون کی حفاظت کی ذمہ داری نبھاتی ہے۔ اِس کے برعکس پارلیمانی نظام میں مقنّنہ اور انتظامیہ گڈمڈ ہوتے ہیں۔

(۴) صدر جس کو اہل سمجھتا ہے وزیر بنا سکتا ہے۔ صدارتی نظام میں وزراء کا پارلیمنٹ کا رکن ہونا ضروری نہیں ہوتا جبکہ پارلیمانی نظام میں وزراء کے لیے پارلیمنٹ کا رکن ہونا ضروری ہوتا ہے۔ صدارتی نظام میں اُن لوگوں کی صلاحیتوں سے بھی فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے جو سیاست کے کھیل سے تو دُور ہیں لیکن کسی خاص شعبے میں ماہر (expert) ہیں۔ مثلاً آپ کو مالیات کے لیے ایسا آدمی درکار ہے جو جدید معاشیات سے پوری طرح آگاہ ہو۔ اب ضروری نہیں کہ وہ پارلیمنٹ کا رکن بھی ہو، مگر پارلیمانی نظام میں اُس کی خدمات سے آپ استفادہ نہیں کرسکتے جب تک وہ پارلیمنٹ کا رکن نہ بن جائے۔

سیرتِ معلمِ انسانیت ﷺ

عبدالمنان معاویہ

آج کے اس پُرفتن دَور میں جہاں باطل فتنے سادہ لوح عوام کو اپنے دامِ فریب کا شکار کر رہے ہیں وہیں بعض سکالر کہلانے والے افراد نے بھی روشن خیالی کے نام پر اٹھنے والے طوفان کی زد میں آ کر دین سے باغی افراد کی ہاں میں ہاں ملا دی ہے اور ایسے طرفہ نکتے نکالے ہیں کہ چودہ سو سال سے اُمت مسلمہ کے متفقہ و مسلّمہ علماء کے ذہن وہاں تک نہ پہنچ سکے۔ دین کا حلیہ بگاڑنے کی کوششیں ہر دَور میں ہوتی رہی ہیں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس دین کو تبدیل و تحریف سے محفوظ رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن حکیم بھی ہر اعتبار سے محفوظ ہے اور محمدٌ رسول اللہ ﷺ کی سنت اور سیرت بھی محفوظ ہے۔ آپؐ کی پیدائش سے وفات تک کے تمام حالات بفضل خدا محفوظ ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کے ہر گوشے سے بھٹکی ہوئی انسانیت کو رہنمائی ملی۔ آپ ﷺ وہ شخصیت ہیں جسے اپنے اور غیر سب نے خراج تحسین پیش کیا اور آپؐ کی مبارک زندگی میں نقص تلاش کرنے والے تھک ہار کر بیٹھ گئے۔

سر ولیم میور اپنی کتاب ''Life of Muhammad'' میں لکھتا ہے:

''ہم بلا تأمل اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ محمد (ﷺ) نے ہمیشہ کے لیے اکثر توہماتِ باطلہ کو کالعدم کر دیا۔ اس کی سیرت کی عمدگی سے خود بخود لوگ بت پرستی چھوڑ کر خدا پرست ہو گئے''۔(۱)

سر ولیم میور کی اسلام دشمنی بہت مشہور تھی' لیکن یہ بات اس کو بھی تسلیم کرنی پڑی کہ حضور نبی کریم ﷺ کی سیرت عمدہ تھی۔

باسورتھ سمتھ (Bosworth Smith) لکھتا ہے:

''محمد (ﷺ) تین عناصر کا بانی ہے: ایک قوم' ایک سلطنت اور ایک مذہب۔ تینوں کا بانی خود اَن پڑھ تھا' لیکن اُس نے دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو شعر و نغمہ بھی اپنے

اندر رکھتی تھی اور آئین و قانون بھی' محمد (ﷺ) کا یہی معجزہ ہے' مستقل معجزہ' فی الحقیقت معجزہ''۔(۲)

گاڈفری ہنگنس ''اپالوجی فار محمدؐ'' میں لکھتا ہے:

''عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد (ﷺ) کے پیغام نے وہ نشہ ان کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے۔ جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے' ان کا نشہ دینی جاتا رہا اور اپنے مقتداء کو موت کے پنجے میں گرفتار چھوڑ کر چل دیے۔ برعکس اس کے محمد (ﷺ) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبرؐ کے گرد آئے اور آپؐ کے بچاؤ میں اپنی جانیں خطرے میں ڈال کر کل دشمنوں پر آپؐ کو غالب کر دیا۔''(۳)

نبی مکرم ﷺ نے اپنے متبعین کو ایسی تعلیم دی کہ وہ دنیا کے معلم بن گئے۔ کل تک تو وہ خود بھٹکے ہوئے تھے' آج وہ راہ بتانے والے بن گئے۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے ہادی بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا!

حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ہر ادا دلربا و دلبہار ہے۔ آپؐ بلاشبہ معلمِ انسانیت ہیں۔ علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ وَاَهْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِيْنَ حَتَّى النَّمْلَةَ فِيْ جُحْرِهَا وَحَتَّى الْحُوْتَ لَيُصَلُّوْنَ عَلٰى مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَيْرَ))(۴)

''خیر کی تعلیم دینے والے شخص کے لیے اللہ تعالیٰ' فرشتے' اہل آسمان' اہل زمین حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بلوں میں اور مچھلیاں پانی میں دعائے خیر کرتی ہیں''۔

ایک روایت میں رسول اللہ ﷺ نے عالم کو چاند سے تشبیہہ دی۔ فرمایا:

((فَضْلُ الْعَالِمِ عَلَى الْعَابِدِ كَفَضْلِ الْقَمَرِ عَلٰى سَائِرِ الْكَوَاكِبِ' اِنَّ الْعُلَمَاءَ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَاءِ))(۵)

''عالم کی عابد پر فضیلت ایسی ہے جیسے چاند کی تمام ستاروں پر فضیلت۔ علماء تو انبیاءؑ کے وارث ہیں۔''

نبی اکرم ﷺ نے علماء کو انبیاء علیہم السلام کا وارث قرار دیا۔ اب وارثین کو انبیائے کرامؑ کے

نقشِ قدم پر چلنے کی وجہ سے اسی طرح کی تکالیف اٹھانی پڑیں گی جو انبیاء نے برداشت کیں۔ کلمۂ حق کہنے کی پاداش میں ہزاروں انبیاء کرام علیہم السلام کو شہید کر دیا گیا۔ آج وارثانِ انبیاءؑ پر بھی طرح طرح کے الزامات لگا کر انہیں گالیاں دی جا رہی ہیں' مارا پیٹا جا رہا ہے' جیلوں میں ڈالے جاتے ہیں اور موت کے گھاٹ اتارے جا رہے ہیں' حالانکہ جاہلوں کو خبر ہی نہیں کہ شہید زندہ ہے' بلکہ اس سے قومیں زندہ ہوتی ہیں۔ اسی لیے تو کہا جاتا ہے کہ ع ''شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے!''

حضرت محمدؐ رسول اللہ ﷺ پر جو پہلی وحی نازل ہوئی وہ تھی ''اِقْرَاْ'' (پڑھیے!) یعنی بات شروع ہی ''پڑھنے'' سے کی گئی:

﴿اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اِقْرَاْ وَرَبُّکَ الْاَکْرَمُ ۙ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۙ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۚ﴾ (العلق)

(اے محمدؐ!) پڑھیے اپنے پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو خون کے جمے ہوئے لوتھڑے سے بنایا۔ پڑھیے اور آپ کا پروردگار بڑا کریم ہے' جس نے قلم کے ذریعے علم سکھایا۔ انسان کو وہ باتیں سکھائیں جن کا اس کو علم نہ تھا''۔

یہ پہلی وحی علم کے متعلق اُس عظیم شخصیت پر نازل ہوئی جو قلم و قرطاس سے بے نیاز تھی۔ آپؐ لکھنا پڑھنا بالکل نہ جانتے تھے۔ اب جو شخص نہ لکھ سکتا ہے نہ ہی پڑھ سکتا ہے دنیا نے اسے معلمِ انسانیت تسلیم کیا۔ قرآن کریم میں آپ ﷺ کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلاً مِّنْکُمْ یَتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ۱۵۱﴾ (البقرۃ)

''جیسا کہ ہم نے تمہارے درمیان خود تم میں سے ایک رسول بھیجا' جو تمہیں ہماری آیات پڑھ کر سناتا ہے' تمہارا تزکیہ کرتا ہے' تمہیں کتاب (قرآن حکیم) اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ایسی باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

حضرت قاضی محمد سلیمان منصور پوریؒ لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کا کام کس قدر مشکل تھا۔ انہوں نے اس فرض کو کیسی خوش اسلوبی' صبر و حلم' استقامت اور تحمل سے شروع کیا' کیونکر تہذیب اور تمدن اور علم و اخلاق کو پھیلایا' کیونکر قوموں اور ملکوں کو ایک بنایا' کس طرح توحید کی اشاعت کی اور انسان کے دل پر

عظمت و کبریائی ربانی کا نقش قائم کرنے کے بعد کس طرح جملہ اشیاء و اسباب کا خادم انسان ہونا ثابت کر دیا!

.....اور جب وہ اس عظیم الشان کام کو انجام دے چکے' بندوں کو خدا سے نزدیک اور قوموں کو قوموں سے قریب بنا چکے' نفرت اور عداوت کی جگہ نصرت اور اخوت کو بٹھا چکے' ظلمت اور جہالت کو نکال کر ان کے دل و دماغ پر نور صداقت و علم کو متمکن کر چکے تب کیسی فارغ البالی' کشادہ پیشانی اور مسرت کے ساتھ اس دنیا سے سدھار گئے۔ نبیؐ کے عظیم الشان کام کا اندازہ کرنے کے لیے دیکھو کہ اسلام کا بیج کیسے پاک قلوب میں بویا گیا تھا جو نیک پھل لائے تھے۔ نجاشی ملک حبشہ' جیفر ملک عمان' اکیدر شاہ دومۃ الجندل' نجد کے وحشی' تہامہ کے بدو اور یمن کے مسکین دوش بدوش کھڑے ہونے پر نازاں ہو رہے ہیں۔ عبداللہ بن سلام یہودیت' ورقہ بن نوفل عیسائیت اور عثمان بن طلحہ ابراہیمیت کی مسند ہائے امامت چھوڑ کر اسلام کے خادم شمار کیے جانے پر مفتخر ہیں''۔(٦)

مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ رقم طراز ہیں:

''دنیا میں اخلاق کے بڑے بڑے معلم پیدا ہوئے' جن کے روبرو مختلف اقوام نے مختلف اَدوار میں اخلاقی زندگی کے نقوش سنوارے۔ آنحضرت ﷺ سے قبل اخلاقی معلموں کی دو جماعتیں تھیں۔ ایک وہ گروہ تھا جس نے اخلاقی تعلیم کی بنیاد کسی اُخروی مذہب پر رکھی۔ دوسرا وہ گروہ تھا جس نے فلسفہ و حکمت اور عقل و دانائی کی بنا پر اپنی عمارت کھڑی کی۔ اوّل الذکر کے حاملین کو انبیاءؑ اور مصلحین اور ثانی کو حکماء کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ انبیاءؑ نے اپنی تعلیمات کا مأخذ حکمِ خداوندی قرار دیا۔ اس کے علاوہ ان کی تعلیمات کی کوئی بنیاد نہیں۔ ان کی تعلیمات نہ عقل و خرد کی خامہ فرسائی نہ اخلاق کے دقیق نکتوں کی گرہ کشائی ہے۔ ثانی فریق کی تعلیمات میں نفسیاتی خواص کی بحث اخلاقی غرض و غایت کی تھی۔ یہ اخلاقیاتِ عمل لذتوں سے ماوراء ہیں۔ اس کے مستقبل میں کوئی فوائد کا خاکہ نہیں بلکہ محض دُنیوی زندگی کا حسن اس میں موجود ہوتا ہے۔ اوّل الذکر فریق کی اخلاقیات تو چلو آخرت کے اعتبار سے ایک عظیم اجرت کا خاکہ اپنے اندر رکھتی ہے۔

آپ ﷺ کی تعلیمات جہاں احکامِ خداوندی سے ماخوذ ہیں وہاں عقلی دانائیوں اور دقیق حکمتوں کی شان بھی اس میں نمایاں ہے۔ اس طرح آپ ﷺ انبیاءؑ اور حکماء کے

اخلاقی اصولوں سے ممتاز ایک لائحۂ اخلاق کے معلم ہوئے۔ ذیل میں ذکر کی جانے والی آنحضرت ﷺ کی تعلیمات نے انسان کے ایک ایک اندرونی جذبہ' اخلاقی قوت اور باطنی فطرت کا سراغ لگا کر تمام کو فطرت انسانی کا عین بنا دیا ہے۔ یعنی انسان بننے کے بعد یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ ان اعلیٰ اخلاقی اصولوں سے صرفِ نظر کر جائیں۔ آپ نے آنحضرت ﷺ کے اخلاق کی عملی زندگی کے مظاہر بھی دیکھے' اس کے باعث آنحضرت ﷺ کی اخلاقی' معاشی اور سیاسی تعلیمات کا اعجاز ہر دور کے معلموں کو چیلنج کر رہا ہے۔ کتنے انسان ہیں جو ارسطو کے فلسفۂ اخلاق سے معلم بنے؟ افلاطون کے لائحۂ عمل سے صاحبِ اخلاق بنے؟ پھر کتنی مدت تک یہ عقلی نکتے دنیائے عالم سے خراج تحسین وصول کرتے رہے؟ آگے چلیے تو ایسے طریقوں سے جن میں روحانیت کا شائبہ تک نہ تھا' سوشلزم کی بنیاد رکھی گئی۔ یہ درست ہے کہ لینن' مارکس' لی شاؤ چی اور ماؤزے تنگ کے مرتب کردہ یہ نظریات کسی حد تک معاشی حل پیش کر سکتے ہیں' مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا یہ نظریات بھی آنحضرت ﷺ کی تعلیم معاشیات سے مأخوذ تو نہیں! پھر اگر ان کی افادیت تسلیم بھی کر لی جائے تو غریب کو مقررہ وقت پر روٹی تو مل جائے گی مگر انسانیت حیوانیت اور شیطنت کی دہلیز پر کھڑی ہو جائے گی۔ کیونکہ ان معاشی اصولوں کی تدوین ایسے طریقے پر کی گئی جس میں حاکم حقیقی کا تصور ختم کر کے بانیان کی ڈکٹیٹرشپ کا ڈورا ڈالا گیا۔ انسانیت جو مادیت کے چکر میں گم ہوگئی ہے' کسی صورت بھی روحانیت سے جدا امن و اطمینان نہیں پا سکتی۔ نوعِ انسانی کو یہ درس آنحضرت ﷺ نے پڑھایا کہ انسان کا ایک تعلق اپنے خالق کے ساتھ ہے' دوسرا تعلق اس کی مخلوق کے ساتھ۔'' (۷)

ہم اسی عبارت کو آسان لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے حضرت انسان کی حالت کیا تھی اور حضور علیہ السلام کی بعثتِ مبارکہ سے قبل کا معاشرہ کیسا تھا؟ ان کی تہذیب کیسی تھی؟ اندازِ گفتار اور کردار کس طرح کا تھا؟ ان سوالوں کا مختصر جواب یہ ہے کہ بعثتِ محمدیؐ سے قبل وہ لوگ جہالت کی انتہا کو پہنچ چکے تھے۔ زنا عام مشغلہ تھا۔ قتل و غارت گری کو کھیل سمجھتے تھے۔ عورت کو نہایت ہی حقیر سمجھتے' اتنا حقیر کہ الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اور آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے سمندر' دریا' گائے' سانپ' سورج اور نہ جانے کتنے بت تراش رکھے تھے' جن کی وہ پوجا کرتے تھے۔ خداوند تعالیٰ نے جو مخلوقات انسان کی خدمت کے

لیے پیدا فرمائی تھیں انسان خود اُن ہی کا پجاری بن گیا تھا۔لیکن جب فاران کی چوٹی سے حضور سرور کائناتﷺ نے اعلان کیا کہ اے لوگو! اللہ کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں ہے تو آغاز میں بہتوں نے مخالفت کی۔لیکن جب انہوں نے حضور سرور کائناتﷺ (فداہُ اَبی و اُمّی) کے دستِ مبارک پر کلمہ پڑھا تو اُن کی کایا پلٹ گئی اور وہ سب حضور علیہ السلام کے اشارۂ ابرو پر جان لٹانا سعادت سمجھنے لگے۔

ڈاکٹر غلام مرتضٰی شہیدؒ لکھتے ہیں:

''غزوۂ احد میں ایسا ہوا کہ کفار نے حضورﷺ کو گھیر لیا' تو حضورﷺ نے انصار سے یہ فرمایا کہ کون ہے جو ہم پر اپنی جان قربان کرے؟ تو چھ انصاری اٹھے اور ایک کے بعد دوسرے نے جان دے دی اور لوگوں کو تتر بتر کر دیا۔اتنی بے جگری سے لڑے کہ ان میں سے پانچ اُسی وقت شہید ہو گئے' لیکن حملہ آوروں کو بھگا دیا۔ان میں آخری عمارہ ابن زیاد تھے۔حضورﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا کہ اس کو میرے قریب کر دو۔ بے چارے زخمی پڑے ہوئے تھے۔جب یہ قریب ہوئے تو حضورﷺ نے پوچھا کہ عمارہ! میں تمہارے لیے کیا کر سکتا ہوں؟ یہ بیچارے بولے تو کچھ نہیں' گھسٹتے گھسٹتے حضورﷺ کے اور قریب آئے اور حضورﷺ کے قدم مبارک پر انہوں نے اپنا چہرہ رکھ دیا۔طبقات ابن سعد کے الفاظ یہ ہیں: ''فات و خدّہ علی قدم رسول اللہﷺ'' کہ ان کو اس حالت میں موت آئی کہ ان کا چہرہ حضورﷺ کے مبارک پاؤں پر تھا۔اسی دیوانگی کے تتبع میں مَیں نے بھی ایک نعتیہ قصیدہ کہا تھا' جس کا ایک شعر تھا:

تیریؐ معراج کہ تو پہنچا سرِ عرشِ بریں
میری معراج ترے قدموں میں سر لے آیا'' (۸)

اس قسم کے ہزاروں حوالہ جات سے تاریخ کی کتب بھری پڑی ہیں' جن میں صحابہؓ کی قربانیوں کے تذکرے موجود ہیں۔ہم صرف ایک سوال اور اس کا جواب نقل کر کے بات ختم کرتے ہیں'یعنی نبی اکرمﷺ تمام انسانیت کے معلم کیسے ہوئے؟

اس سوال کے دو جزو ہیں' جن کو ہم نہایت اختصار سے درج کرتے ہیں:

اوّلاً: حضورﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی اور صحابہ کرامؓ نے تابعین رحمۃ اللہ علیہم کو تعلیم دی' انہوں نے تبع تابعینؒ کو۔یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا ہوا ہم تک پہنچا۔لہٰذا حضور سرور کائناتﷺ تمام مسلمانوں کے بالواسطہ معلم ہوئے۔

ثانیاً: حضور نبی کریم ﷺ نے اپنے دورِ مسعود میں عیسائیوں اور یہودیوں سے معاہدے کیے اور عیسائیت اور یہودیت بلکہ تمام دیگر ادیان کے متعلق اپنے پیروؤں کو تعلیم دی کہ کسی کے جھوٹے خدا کو بھی برا نہ کہو۔ نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلم اقوام سے جو معاہدے کیے آج بھی دنیا میں امن قائم کرنے کے لیے اُن معاہدوں کے نکات سے رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔ لیکن رونا اس بات کا ہے کہ ربیع الاوّل کے آتے ہی ہم مسلمانوں کو حضور نبی کریم ﷺ کی یاد آجاتی ہے، ہمارا عشق جاگ اٹھتا ہے اور ہم محبت کے ترانے گانے لگ جاتے ہیں۔ پورا سال ہم لوگ اپنی زندگی کے قدم قدم پر حضور نبی کریم ﷺ کی عملی مخالفت کرتے ہیں۔ (اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَاَتُوْبُ اِلَیْہِ) انتہا تو یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں مذہبی حلقوں میں رہنما سمجھا جاتا ہے، ان ہی لوگوں کی خوشیوں کے موقع پر موسیقی کے پروگرام ہوتے ہیں۔

آج تمام مسلمان جس ذلت سے دوچار ہیں اس کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم نے اپنے رسولِ معظم، نبی مکرم ﷺ کی دی ہوئی تعلیم پتھر کے زمانے کی تہذیب سمجھ کر چھوڑ دی اور دشمنانِ اسلام کے طور طریقے اپنانے پر فخر محسوس کرنے لگے۔ اگر آج بھی مسلمان حضور علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریق کے راہی بن جائیں تو بہت جلد وہ ذلت کے گڑھے سے نکل کر عزت کی مسند پر بیٹھے ہوں گے۔

ربیع الاول کے ماہ مبارک میں تمام مسلمان اللہ تبارک وتعالیٰ سے پچھلے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے استقامت علی الدین کی دعا بھی مانگیں۔ اُسوۂ حسنہ کے مطابق زندگی بسر کرنے کا عزمِ مصمم کریں اور دین کی سربلندی کے لیے سعی و جہد تیز کردیں۔

حواشی

(۱) بحوالہ ''اسلام سب سے سچا دین''، ص ۲۳، از مولانا ضیاء الرحمٰن فاروقی شہیدؒ۔
(۲) بحوالہ ایضاً، ص ۳۱۔
(۳) ترجمہ اردو، ص ۶۶، ۶۷، مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء۔ بحوالہ خطباتِ مدراس، ص ۸۵، ۸۶، از علامہ سید سلیمان ندویؒ۔
(۴) سنن الترمذی، ابواب العلم، باب ما جاء فی فضل الفقه علی العبادة۔
(۵) سنن الترمذی، حوالہ سابقہ۔ و سنن ابی داؤد، کتاب العلم، باب الحث علی طلب العلم۔ و سنن ابن ماجه، المقدمة۔
(۶) رحمۃٌ للعالمین، ج ۱، ص ۳۵، ۳۶۔ چند مختلف جگہوں سے اقتباساً پیرے نقل کیے گئے ہیں۔
(۷) رہبر و رہنما، ص ۱۷۴، ۱۷۵۔ (۸) خطباتِ حرم، ص ۲۵۴۔

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ

عتیق الرحمٰن صدیقی

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما وہ جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے اپنے تعلق کا آغاز ۱۳ برس کی عمر میں کیا۔ آپ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے لختِ جگر اور اُم المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے۔ آپؓ میں جذبۂ اتباعِ رسول اوجِ کمال تک پہنچا ہوا تھا۔ ایک موقع پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ''عبداللہ بن عمر سے بڑا نقوشِ نبویؐ کی اتباع کرنے والا کوئی نہیں''۔ آپ رضی اللہ عنہما اُس وقت تک کوئی حدیث بیان نہیں کرتے تھے جب تک اس کا ایک ایک حرف یاد نہ آ جاتا۔ آپؓ کے ہم عصر کہتے ہیں کہ ''اصحابِ رسولؐ میں عبداللہ بن عمرؓ سے بڑھ کر اس بات سے خوف کھانے والا کوئی نہیں کہ وہ حدیث میں کوئی کمی بیشی کرے''۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور زہری کا قول ہے کہ ''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما پر رسول اللہ ﷺ اور صحابہؓ کے امور میں سے کوئی چیز پوشیدہ نہ تھی''۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے:

((كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، اَلْاِمَامُ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ اَهْلِهٖ وَهُوَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ، وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ فِيْ بَيْتِ زَوْجِهَا وَمَسْئُوْلَةٌ عَنْ رَعِيَّتِهَا، وَالْخَادِمُ رَاعٍ فِيْ مَالِ سَيِّدِهٖ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ [قَالَ وَحَسِبْتُ اَنْ قَدْ قَالَ : وَالرَّجُلُ رَاعٍ فِيْ مَالِ اَبِيْهِ وَ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ] وَكُلُّكُمْ رَاعٍ وَمَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِيَّتِهٖ)) (۱)

''تم میں سے ہر ایک نگران ہے اور ہر ایک جواب دہ ہے اپنے ماتحتوں کے معاملے میں: (ا) امام (اسلامی ریاست کا خلیفہ یا صدر) نگران ہے، اور اس سے اس کی رعیت کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (ب) ہر شخص اپنے گھر میں (بال بچوں کا) حاکم ہے اور اپنی ذمہ داریوں کے لیے (خدا کے ہاں) جواب دہ ہے۔ (ج) عورت اپنے شوہر

کے گھر میں (اس کے بچوں اور مال و دولت کی) ذمہ دار ہے' اور ان کے سلسلہ میں اس سے باز پرس ہوگی۔ (۵) نوکر اپنے آقا کی جائیداد کا امین و محافظ ہے' اور اللہ کے ہاں اس پر اس سے محاسبہ ہوگا''۔ [راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مزید یہ بھی فرمایا تھا: ''اور آدمی اپنے باپ کے مال کا نگران اور امین ہے اور اپنی امانت پر جواب دہ ہے''۔] (غور سے سنو) تم میں سے ہر ایک (اپنے اپنے دائرہ میں) حاکم اور نگران ہے اور تم میں سے ہر ایک سے ان لوگوں کی بابت پوچھا جائے گا جو اُس کی نگرانی میں ہیں۔''

حقوق و فرائض کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے' زنجیر کی کڑیوں کی مانند یہ ایک دوسرے میں پیوست ہیں۔ یہ پیوستگی جتنی زیادہ توانا اور تنومند ہوگی معاشرہ اتنا ہی صحت مند ہوگا۔ ایک مسلم معاشرہ میں ایک فرد جو برضا و رغبت اللہ کی ربوبیت کا اقرار کرے' اسلام کو دین حق تسلیم کرے اور نبی اکرم ﷺ کی رسالت پر ایمان لائے اس کی ذمہ داریاں دوچند ہو جاتی ہیں۔ وہ اس امر کا پابند ہوتا ہے کہ جو امانتیں اللہ نے اس کے سپرد کی ہیں ان کی نگرانی اور حفاظت کرے اور خیانت سے مجتنب رہے' اسے ہر لحظہ یہ خیال دامن گیر رہے کہ وہ خود مختار اور آزاد ہرگز نہیں' بلکہ اپنی تمام تر قوتوں اور صلاحیتوں کے معاملے میں جو اُس کے ربّ نے اسے دی ہیں اور جو دائرۂ کار اس کے لیے متعین کیا ہے اس میں وہ اس کے سامنے جواب دہ ہے' اللہ کی عدالت میں اس کا پورا پورا احتساب کیا جائے گا اور اس کی عطا کردہ نعمت میں خیانت کی صورت میں اس کا مؤاخذہ ہوگا۔

یہاں اسلامی ریاست کے سربراہ کو بڑی صراحت کے ساتھ اور اسی تناظر میں ریاست کے تمام چھوٹے بڑے حاکموں اور عہدیداروں کو انتباہ کیا جا رہا ہے کہ وہ اپنے فرائض منصبی کی تکمیل میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھیں اور اپنی ذمہ داریوں سے خدا خوفی کے ساتھ عہدہ برآ ہوں۔ اپنے زیردستوں کے حقوق ادا کرنے میں اگر وہ کوتاہی اور تغافل سے کام لیں گے تو قیامت کے دن وہ اللہ کی باز پرس سے ہرگز نہ بچ سکیں گے' اللہ تعالیٰ کے حضور ان سے پوچھا جائے گا کہ جو امانت ان کے سپرد کی گئی تھی آیا انہوں نے اس کا حق ادا کیا یا اس سے پہلوتہی کی؟ حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

((مَا مِنْ وَالٍ يَلِيْ رَعِيَّةً مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فَيَمُوْتُ وَهُوَ غَاشٌ لَهُمْ اِلَّا حَرَّمَ

اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ)) (۲)

''جو شخص مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار مقرر ہوا' پھر اس کی موت اس حال میں آئی کہ وہ ان کے ساتھ خیانت کرتا رہا تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص پر جنت حرام کر دی ہے''۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے سنا:

''جس کسی شخص نے مسلمانوں کے اجتماعی معاملہ کی ذمہ داری قبول کی' پھر اُس نے ان کے ساتھ خیر خواہی نہیں کی اور ان کے کام کی انجام دہی میں اپنے آپ کو اس طرح نہیں تھکایا جس طرح وہ اپنی ذات کے لیے اپنے آپ کو تھکاتا ہے۔ [اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے: ''پھر ان کی حفاظت ایسے طریقے سے نہیں کی جس طریقے سے اپنی اور اپنے گھر والوں کی حفاظت کرتا ہے'] تو اللہ تعالیٰ اس شخص کو مُنہ کے بل جہنم میں گرا دے گا''۔ (۳)

یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجھے سپہ سالار بنا کر شام کی طرف روانہ کیا تو اُس وقت یہ نصیحت فرمائی: ''اے یزیدؓ! تمہارے کچھ رشتہ دار ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ تم ان کو ذمہ داریاں سونپنے میں ترجیح دو۔ یہ سب سے بڑا اندیشہ ہے جو مجھے تمہاری طرف سے لاحق ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو مسلمانوں کے اجتماعی معاملات کا ذمہ دار ہوا اور وہ مسلمانوں پر کسی کو حکمران بنائے محض رشتہ داری اور دوستی کی وجہ سے تو اس کے اوپر اللہ کی لعنت ہوگی' اللہ اس کی طرف سے کوئی فدیہ قبول نہیں کرے گا' یہاں تک کہ اسے جہنم میں ڈال دے گا''۔ (٤)

حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو خطاب کر کے فرمایا کہ ''اے خطاب کے بیٹے! میں نے مسلمانوں پر شفقت کے پیش نظر تمہیں خلیفہ منتخب کیا ہے اور تم نے رسول اللہ ﷺ کی صحبت اٹھائی ہے' تم نے دیکھا کہ حضور ﷺ کس طرح ہم کو اپنے اوپر اور ہمارے گھر والوں کو اپنے گھر والوں کے اوپر ترجیح دیتے تھے' یہاں تک کہ ہم کو جو کچھ آپ ﷺ کی طرف سے ملتا اس میں سے جو کچھ بچ جاتا وہ ہم نبیؐ کے گھر والوں کو ہدیہ بھیجتے تھے''۔ (٥)

زیر مطالعہ جامع حدیث میں' جس میں ایک جہانِ معنی پنہاں ہے' دوسری اہم بات یہ

ارشاد فرمائی گئی کہ ہر آدمی اپنے بال بچوں کے دین' اخلاق' اصلاح اور تربیت کا بھی نگران اور محافظ ہے' اس سے ان کے حقوق کے متعلق بھی پوچھ گچھ کی جائے گی۔ قرآن حکیم میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ (التحریم)

''اے ایمان والو! تم بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے' اس پر ایسے فرشتے مقرر ہیں جو بڑے تندخو' سخت مزاج ہیں' نافرمانی نہیں کرتے اللہ کی جس کا اس نے انہیں حکم دیا ہے اور فوراً بجالاتے ہیں جو حکم انہیں دیا جاتا ہے۔''

اس آیۂ کریمہ میں ایمان والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچائیں' اور مزید یہ کہ وہ اس ذمہ داری کو اپنے آپ تک محدود نہ رکھیں' بلکہ ان کے لیے لازم ہے کہ وہ اپنے بال بچوں کو بھی دوزخ کی آگ سے بچانے کے لیے فکرمند ہوں۔ یہ ان کے لیے لازمی اور ضروری ہے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ! اپنے آپ کو آتش جہنم سے بچانے کی بات تو سمجھ میں آ گئی' ہم اپنے اہل وعیال کو کیونکر جہنم سے محفوظ رکھ سکتے ہیں؟ آپؐ نے فرمایا: ((تَنْهَوْنَهُمْ عَمَّا نَهَاكُمُ اللّٰهُ وَتَاْمُرُوْنَهُمْ بِمَا اَمَرَ اللّٰهُ)) یعنی ''تم انہیں اس طرح بچا سکتے ہو کہ جن چیزوں سے اللہ نے تمہیں روکا ہے تم اپنے بال بچوں کو بھی اُن سے روکو اور جن کاموں کو بجالانے کا اس نے تمہیں حکم دیا تم انہیں بھی ان کے بجالانے کا حکم دو''۔

جناب مقاتل کہتے ہیں کہ ہر آدمی کے لیے یہ لازمی ہے کہ وہ اپنے آپ کو' اپنی اولاد کو' اپنی بیوی اور اپنے خدام کو عذابِ جہنم سے بچانے کی سعی کرے۔ علامہ قرطبی نے الکیا کا قول نقل کیا ہے: ''**وعلينا تعليم اولادنا واهلينا الدين والخير وما لا يستغنى عنه من الادب**'' یعنی ہم پر فرض ہے کہ ہم اپنی اولاد اور اہل خانہ کو دین کی تعلیم دیں' اچھی باتیں سکھائیں اور ادب وہنر جس کے بغیر چارہ نہیں' اس کی تعلیم دیں''۔ حضور نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد بھی ہے:

((حَقُّ الْوَالِدِ عَلَى الْوَلَدِ اَنْ يُحَسِّنَ اسْمَهُ وَيُحَسِّنَ اَدَبَهُ)) (٦)

''باپ پر اولاد کا حق یہ ہے کہ (جب وہ پیدا ہوں تو) ان کے لیے عمدہ نام تجویز کرے اور (جب وہ بڑے ہوں تو) تو ان کی تعلیم و تربیت کرے''۔

ایک حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کو جو کچھ دیتا ہے اس میں سے سب سے بہتر عطیہ اس کی اچھی تعلیم و تربیت ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا:

((مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَاضْرِبُوْهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ اَبْنَاءُ عَشْرٍ وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ)) (۷)

''اپنی اولاد کو نماز پڑھنے کا حکم دو جب کہ وہ سات سال کے ہو جائیں' اور نماز کے لیے ان کو مارو جب وہ دس سال کی عمر کے ہو جائیں اور اس عمر کو پہنچنے کے بعد ان کے بستر الگ کر دو''۔

گویا سات سال کی عمر میں بچوں کو نماز کی تلقین کی جانی چاہیے اور دس سال کی عمر میں اگر وہ نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا بھی دی جا سکتی ہے۔ اس عمر میں وہ ایک ہی چارپائی پر نہ لیٹیں' ان کی خواب گاہیں جدا کر دینی چاہئیں۔

بچوں کی دینی تعلیم اور تربیت کا اہتمام بچپن ہی سے کیا جانا چاہیے۔ اوائل عمر میں جو سبق دیا جاتا ہے اور جو طور اطوار سکھائے جاتے ہیں ان کے نقوش ان کے لوحِ دل پر مرتسم ہو جاتے ہیں' اور وہ اتنے گہرے ہوتے ہیں کہ مٹائے نہیں مٹتے۔ والدین کا احترام' بڑوں کا ادب' چھوٹوں پر شفقت' دوسروں کے لیے ایثار' خوراک' پوشاک' نشست و برخاست' سچ بولنے' سچی بات کہنے' سلیقے سے گفتگو کرنے کی بہتر انداز میں ترغیب اس عمر میں دی جانی ضروری ہے۔ لمحاتِ فرصت کا صحیح استعمال' مطالعہ کی تشویق اور اچھی صحبت کا پابند بنانے کے لیے یہ نہایت موزوں وقت ہوتا ہے۔ اولاد کو بے راہ روی سے بچانے کے لیے ناگزیر ہے کہ والدین حزم و احتیاط سے کام لیں اور ان کی نگرانی پر خاص توجہ دیں' رات کا اندھیرا چھا جائے تو انہیں گھروں میں سمیٹ لیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اَحْبِسُوْا صِبْيَانَكُمْ حَتّٰى تَذْهَبَ فَوْعَةُ الْعِشَاءِ' فَاِنَّهَا سَاعَةٌ تَخْتَرِقُ فِيْهَا الشَّيَاطِيْنُ)) (۸)

''شام کے وقت اپنے بچوں کو (گھروں میں) روک لیا کرو' کیونکہ اُس وقت شیاطین

کھلی فضا میں پھرتے ہیں''۔

نیک بیویوں کے اوصاف قرآن پاک نے یوں بیان فرمائے:

﴿فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ﴾ (النساء:٣٤)

''تو نیک بیویاں (شوہروں کی) فرماں بردار ہوتی ہیں اور (شوہر کے) پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں (شوہر کے مال و دولت اور عزت و آبرو کی) حفاظت کرتی ہیں۔''

ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ﴾ (البقرة:١٨٧)

''وہ (تمہاری بیویاں) تمہاری پوشاک ہیں اور تم ان کی پوشاک ہو۔''

مولانا سید سلیمان ندویؒ فرماتے ہیں:

''تم ان کے ستر پوش ہو، وہ تمہارے لیے، تم ان کی زینت ہو وہ تمہاری، تم ان کی خوبصورتی ہو وہ تمہاری، تم ان کی تکمیل کا ذریعہ ہو وہ تمہاری، یہی نکاح کے اغراض ہیں اور انہی اغراض کو پورا کرنا حقوق زوجین کو ادا کرنا ہے''۔ (سیرت النبیؐ، ششم)

رسول اکرم ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں عورتوں کے حقوق کے بارے میں فرمایا:

((فَاتَّقُوا اللّٰهَ فِي النِّسَاءِ، فَاِنَّكُمْ اَخَذْتُمُوْهُنَّ بِاَمَانِ اللّٰهِ ..... وَلَكُمْ عَلَيْهِنَّ اَنْ لَّا يُوْطِئْنَ فُرُشَكُمْ اَحَدًا تَكْرَهُوْنَهٗ فَاِنْ فَعَلْنَ ذٰلِكَ فَاضْرِبُوْهُنَّ ضَرْبًا غَيْرَ مُبَرِّحٍ)) (٩)

''پس عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو کہ وہ اللہ کی امانت کے طور پر تمہارے بس میں ہیں۔ تمہارا اُن پر یہ حق ہے کہ وہ تمہارے بستر کو کسی سے نہ روندوائیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو ان کو بس اتنا مارو کہ تکلیف دہ نہ ہو''۔

نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((اِذَا صَلَّتِ الْمَرْاَةُ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَحَفِظَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ زَوْجَهَا قِيْلَ لَهَا ادْخُلِي الْجَنَّةَ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شِئْتِ)) (١٠)

''عورت جبکہ وہ پانچوں وقت کی نماز پڑھے، رمضان کے روزے رکھے، اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے اور اپنے شوہر کی اطاعت کرے تو اسے کہا جائے گا کہ تم جنت کے دروازوں میں سے جس دروازے سے چاہو داخل ہو جاؤ''۔

اولاد کی پرورش اوران کی نشو ونما کا خیال ماں اور باپ دونوں کا ایک مشترک فریضہ ہے۔ دونوں مل کر ہی اپنے حسن عمل کے ذریعے اپنے بچوں کو رفعت کردار سے آراستہ کر سکتے ہیں۔ ان کے فکر وفہم کی تربیت میں دونوں کا حصہ ہے' البتہ خرچ کی کفالت تنہا باپ کی ذمہ داری ہے۔ عورت کا حقیقی میدان اس کا گھر ہے اوراس کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ وہ بچوں کی دیکھ بھال اوران کی تربیت کا فرض خوش اسلوبی سے نبھائے۔ اسی تناظر میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت اپنے شوہر کے گھر میں نگران اور ذمہ دار ہے اوراس سے ان افراد اور چیزوں کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی جن کی وہ نگران بنائی گئی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

((عَلَيْكُنَّ بِالْبُيُتِ فَاِنَّهُ جِهَادُ كُنَّ)) (۱۱)

''گھروں کی دیکھ بھال تمہاری ذمہ داری ہے۔ یہی تمہارا جہاد ہے''۔

نیز فرمایا:

''ایک خاتون کی اپنے گھر میں گھر گرہستی کی محنت ومصروفیت مجاہدوں کے عمل جہاد کو پالے گی اگر اللہ نے چاہا۔''(۱۲)

ہندوستان کے معروف عالم دین اور مفکر مولانا محمد یوسف اصلاحی فرماتے ہیں:

''مسلمان ماں کسی وقت بھی اس حقیقت کو ذہن سے اوجھل نہ ہونے دے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور دین وایمان سے غافل ہوکر اس زندگی کی کامیابی ہرگز حاصل نہیں ہوسکتی۔ آپ کی اولاد کا شاندار مستقبل یہ ہے کہ وہ دینی علوم سے آراستہ ہو' دین میں گہری سوجھ بوجھ انہیں حاصل ہو' پاکیزہ اخلاق اور اسلامی تہذیب کے وہ نمائندے ہوں' سماجی حقوق ادا کرنے میں وہ چاق و چوبند ہوں' ان کی زندگیاں پاکیزگی' خداترسی اور پرہیزگاری کا نمونہ ہوں۔ والدین کے اطاعت شعار اور خدمت گزار ہوں اور وہ دُنیوی زندگی کے اونچے سے اونچے منصب پر ہوتے ہوئے بھی دین حق کے سچے نمائندے اور مخلص خادم ہوں''۔(۱۳)

اولاد کی اچھی تعلیم وتربیت صدقہ جاریہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

((اِذَا مَاتَ الْاِنْسَانُ انْقَطَعَ عَمَلُهُ اِلَّا مِنْ ثَلَاثٍ : صَدَقَةٌ جَارِيَةٌ اَوْ عِلْمٌ يُنْتَفَعُ بِهِ اَوْ وَلَدٌ صَالِحٌ يَدْعُوْ لَهُ))(۱۴)

''جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کے اپنے عمل کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے' مگر تین چیزیں

(ایسی ہیں جن کا اجر وثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے): صدقۂ جاریہ یا ایسا علم جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں یا نیک لڑکا جو اُس کے لیے دعا کرتا رہے''۔

حضور نبی کریم ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اگر آقا نے اپنے خادم کو اپنی جائیداد کا امین بنایا ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس کی پوری پوری محافظت کرے۔ اولاد بھی اپنے ماں باپ کی جائیداد میں ان کی مرضی ومنشا اور اجازت کے بغیر تصرف کرنے کی مجاز نہیں' محافظ اور نگران ہونے کی وجہ سے قیامت کے دن اسے جواب دہی کے لیے حاضر کیا جائے گا۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے بندے کو جتنا کچھ اختیار عطا کیا ہے اور اسے تھوڑے یا زیادہ جتنے لوگوں پر بھی اقتدار بخشا ہے' آخرت میں اس کا محاسبہ ضرور ہوگا اور وہ باز پرس سے ہرگز نہ بچ سکے گا۔

حواشی

(١) صحيح البخارى' كتاب الجمعة' باب الجمعة فى القرى والمدن۔ وصحيح مسلم' كتاب الامارة' باب فضيلة الامام العادل وعقوبة الجائر والحث على الرفق۔

(٢) صحيح البخارى' كتاب الاحكام' باب من استرعى رعية فلم ينصح .....وصحيح مسلم' كتاب الايمان' باب استحقاق الوالى الغاش لرعيته النار۔

(٣) طبرانى' كتاب الخراج۔

(٤) كتاب الخراج' امام ابو يوسف۔

(٥) كتاب الخراج' امام ابو يوسف۔

(٦) رواه البيهقى فى شعب الايمان (بحواله السلسلة الضعيفة:١٩٩)

(٧) سنن ابى داوٗد' كتاب الصلاة' باب متى يؤمر الغلام بالصلاة۔

(٨) المستدرك للحاكم٤/٢٨٤' كتاب الادب۔ امام حاکم' الذہبی اور البانی نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ ملاحظہ ہو: السلسلة الصحيحة: ٩٠٥۔

(٩) صحيح مسلم' كتاب الحج' باب حجة النبى ﷺ۔

(١٠) مسند احمد۔

(١١) مسند احمد۔

(١٢) كنز العمال۔

(١٣) حسن معاشرت' محمد یوسف اصلاحی

(١٤) صحيح مسلم' كتاب الوصية' باب ما يلحق الانسان من الثواب بعد وفاته۔

سرورِ عالم ﷺ سے استہزاء کرنے والوں کا انجام

حافظ محمد مشتاق ربانی

اِستہزاء اور سُخر دونوں الفاظ قرآن مجید میں مذاق اڑانے کے مفہوم میں استعمال ہوئے ہیں۔ عبدالرحمٰن کیلانی اپنی کتاب ''مترادفات القرآن مع الفروق اللغویۃ'' میں ان دونوں میں فرق یوں کرتے ہیں کہ استہزاء کسی چیز کو خلافِ عقل اور عجیب سمجھ کر مذاق اڑانا ہے' جبکہ سُخر میں حقارت اور ذلت کا پہلو شامل ہے۔ کیلانی صاحب نے مذاق اڑانے کے سلسلے میں تیسرا لفظ التفنید ذکر کیا ہے' اور اس کا مفہوم یہ بیان کیا ہے کہ کسی بوڑھے کی باتوں کو انہونی سمجھ کر مذاق اڑانا' جبکہ بہت سی کتب اللغۃ جیسے لسان العرب' مختار الصحاح' مفردات القرآن للراغب' معجم غریب القرآن اور قرآنی تفاسیر جیسے الجلالین' التفسیر المظہری' التفسیر الکبیر' الکشاف اور تدبر قرآن وغیرہ میں اس لفظ کے مفہوم کی وضاحت کے سلسلہ میں ایسا تأثر نہیں ملتا جس سے مذاق اڑانے کا پہلو نکلتا ہو۔ مولانا محمد عبدالرشید نعمانی نے اپنی کتاب ''لغات القرآن'' میں لکھا ہے کہ تفنید کے معنی جھوٹ' کمزوری' عاجزی' جہالت اور غم کی طرف منسوب کرنے کے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ لفظ قرآن حکیم میں حضرت یعقوب علیہ السلام کے حوالے سے آیا ہے: ﴿لَوْ لَا اَنْ تُفَنِّدُوْنِ﴾ (یوسف) ''تم لوگ کہیں یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے میں سٹھیا گیا ہوں۔''

کفار مکہ نبی کریم ﷺ کی شان میں گستاخی کرتے اور مذاق اڑاتے' اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ آیت نازل ہوئی:

﴿ اِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴾ (الحجر)

''ہم تمہیں ان لوگوں (کے شر) سے بچانے کے لیے جو تم سے استہزاء کرتے ہیں' کافی ہیں۔''

امام سیوطی (ت ۹۱۱ھ) ''لباب النقول فی اسباب النزول'' میں اس آیت کا سببِ نزول بیان کرتے ہوئے بزار اور طبرانی کے حوالے سے حضرت انس بن مالکؓ کی روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے' ان لوگوں نے آپؐ کی پشت کی طرف طعن آمیز اشارہ کر کے کہا کہ یہی وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے۔ اُس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آنجناب ﷺ کے ساتھ تھے۔ جبرائیلؑ نے ان کی طرف اشارہ کیا جس کی وجہ سے ناخن کے نشان کی طرح ان کے جسموں پر نشان ہو گیا' آخر وہ نشان پھوڑا بن گیا اور سڑ گیا اور ایسا سڑا کہ کوئی ان کے پاس بھی نہیں جاتا تھا۔

نبی اکرم ﷺ سے یوں تو کئی مشرکین استہزاء کرتے' لیکن استہزاء کرنے والوں کے لیڈر پانچ یا سات بتائے جاتے ہیں۔ مشہور قول کے مطابق یہ پانچ تھے' جیسا کہ ابن اسحاق (ت ۱۵۱ھ) نے ''السیرۃ النبویۃ'' میں ان کے نام بھی ذکر کیے ہیں اور ان کا انجام بھی بتایا ہے۔ ان کے نام ہیں: الاسود بن عبد یغوث' الاسود بن المطلب' الولید بن المغیرۃ' العاص بن وائل' الحارث بن الطلاطلۃ۔

(۱) الاسود بن عبد یغوث: آنجناب ﷺ طواف کر رہے تھے کہ جبرائیلؑ آئے' وہ بیت اللہ میں آپ کے پاس کھڑے ہو گئے۔ اتنے میں اسود بن عبد یغوث گزرا تو جبرئیلؑ نے اس کے پیٹ کی طرف اشارہ کیا' پس اس کو استسقاء ہو گیا اور وہ مر گیا۔

(۲) الاسود بن المطلب: حضرت جبرائیلؑ نے ایک سبز پتہ اسود پر مارا جس سے اس کی نگاہ جاتی رہی۔ سیرت ابن ہشام میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ((اللّٰھم اعمّ بصرہ)) ''اے اللہ! اس کو اندھا کر دے''۔

(۳) الولید بن المغیرۃ: جبرائیلؑ نے اس کے پاؤں کے ٹخنہ کے پاس زخم کے اثر کی طرف اشارہ کیا' وہ پھوٹ گیا اور اسی سے وہ مر گیا۔ قرآن شریف میں سورۃ القلم کی آیات ۱۰ تا ۱۶ کے بارے میں کچھ مفسرین کرام کی رائے ہے کہ اس سے تین اشخاص الولید بن المغیرہ' اسود بن عبد یغوث اور اخنس بن شریق مراد ہیں' لیکن زیادہ تر مفسرین کے خیال میں یہ صرف الولید بن المغیرہ ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

﴿وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِيْنٍ ۝ هَمَّازٍ مَّشَّآءٍۭ بِنَمِيْمٍ ۝ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ مُعْتَدٍ اَثِيْمٍ ۝ عُتُلٍّۢ بَعْدَ ذٰلِكَ زَنِيْمٍ ۝ اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ ۝ اِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِ

اٰیٰتُنَا قَالَ اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۵﴾ سَنَسِمُهٗ عَلَی الْخُرْطُوْمِ ﴿۱۶﴾﴾

''ہرگز نہ دبو کسی ایسے شخص سے جو بہت قسمیں کھانے والا بے وقعت آدمی ہے' طعنے دیتا ہے' چغلیاں کھاتا پھرتا ہے' بھلائی سے روکتا ہے' ظلم وزیادتی میں حد سے گزر جانے والا ہے' سخت بداعمال ہے' جفا کار ہے' اوران سب عیوب کے ساتھ بداصل ہے' اس بنا پر کہ وہ بہت مال اوراولاد رکھتا ہے۔ جب ہماری آیات اس کوسنائی جاتی ہیں تو کہتا ہے یہ تو اگلے وقتوں کے افسانے ہیں' عنقریب ہم اس کی سونڈ پر داغ لگائیں گے''۔

اسی طرح سورۃ المدثر کی آیات ۱۱ تا ۲۶ بھی اسی الولید بن المغیرۃ کے بارے میں ہیں' جیسا کہ امام ابوالفداء اسماعیل بن کثیر (ت ۷۷۴ھ) نے اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے۔ وہ آیات یہ ہیں:

﴿ذَرْنِیْ وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِیْدًا ﴿۱۱﴾ وَّجَعَلْتُ لَهٗ مَالًا مَّمْدُوْدًا ﴿۱۲﴾ وَّبَنِیْنَ شُهُوْدًا ﴿۱۳﴾ وَّمَهَّدْتُّ لَهٗ تَمْهِیْدًا ﴿۱۴﴾ ثُمَّ یَطْمَعُ اَنْ اَزِیْدَ ﴿۱۵﴾ كَلَّا ؕ اِنَّهٗ كَانَ لِاٰیٰتِنَا عَنِیْدًا ﴿۱۶﴾ سَاُرْهِقُهٗ صَعُوْدًا ﴿۱۷﴾ اِنَّهٗ فَكَّرَ وَقَدَّرَ ﴿۱۸﴾ فَقُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۱۹﴾ ثُمَّ قُتِلَ كَیْفَ قَدَّرَ ﴿۲۰﴾ ثُمَّ نَظَرَ ﴿۲۱﴾ ثُمَّ عَبَسَ وَبَسَرَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ اَدْبَرَ وَاسْتَكْبَرَ ﴿۲۳﴾ فَقَالَ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ یُّؤْثَرُ ﴿۲۴﴾ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا قَوْلُ الْبَشَرِ ﴿۲۵﴾ سَاُصْلِیْهِ سَقَرَ ﴿۲۶﴾﴾

''چھوڑ دو مجھے اوراُس شخص کو جسے میں نے اکیلا پیدا کیا' بہت سا مال اس کو دیا' اس کے ساتھ حاضر رہنے والے بیٹے دیے' اوراس کے لیے تیاری کر دی خوب تیاری (یعنی اس کے لیے ریاست کی راہ ہموار کی)' پھر وہ طمع رکھتا ہے کہ میں اسے اور زیادہ دوں۔ ہرگز نہیں' وہ ہماری آیات سے عناد رکھتا ہے۔ میں تو اسے عنقریب ایک کٹھن چڑھائی چڑھاؤں گا۔ اس نے سوچا اور کچھ بات بنانے کی کوشش کی' تو خدا کی مار اُس پر' کیسی بات بنانے کی کوشش کی! ہاں' خدا کی مار اُس پر' کیسی بات بنانے کی کوشش کی! پھر (لوگوں کی طرف) دیکھا۔ پھر پیشانی سکیڑی اور منہ بنایا۔ پھر پلٹا اور تکبر میں پڑ گیا۔ آخر کار بولا کہ یہ کچھ نہیں مگر ایک جادو جو پہلے سے چلا آ رہا ہے' یہ تو ایک انسانی کلام ہے۔ عنقریب میں اسے دوزخ میں جھونک دوں گا''۔

(٤) العاص بن وائل: حضرت جبرائیلؑ نے اس کے پاؤں کے تلووں کی طرف اشارہ کیا' چنانچہ وہ طائف کو جاتے ہوئے گدھے سے گرا اوراس کے پاؤں کے تلووں میں کانٹا

چبھ گیا، جس سے وہ مر گیا۔

(۵) الحارث بن الطلاطلة: جبرائیلؑ نے اس کے سر کی طرف اشارہ کیا تو وہ پیپ کی رینٹ (وہ گاڑھی رطوبت جو ناک سے نکلتی ہے) سے مر گیا۔ ابوجعفر محمد بن حبیب (ت ۲۴۵ھ) نے ''کتاب المحبّر'' میں اس کی جگہ الحارث بن قیس بن عدی الکعبی بتایا ہے جو صاحب الاوثان تھا اور ان کے خیال میں سورۃ الجاثیۃ کی آیت ۲۳ اسی کے بارے میں ہے جس میں فرمایا گیا: ﴿اَفَرَءَیۡتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰـهَهٗ هَوٰىهُ﴾ ''پھر کیا (اے نبیؐ!) تم نے کبھی اس شخص کے حال پر بھی غور کیا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا خدا بنا لیا؟''

امام قرطبی نے سورۃ النحل کی آیت ۲۶ ﴿قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ﴾ ''ان سے پہلے بھی بہت سے لوگ (حق کو نیچا دکھانے کے لیے) ایسی ہی مکاریاں کر چکے ہیں۔ تو دیکھ لو کہ اللہ نے ان (کے مکر) کی عمارت جڑ سے اکھاڑ پھینکی اور (اس کی) چھت ان کے اوپر سے ان کے سر پر آ رہی'' کے بارے میں لکھا ہے کہ ''یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ یہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کے بارے میں ہے''۔ اس آیت میں جو ﴿فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ﴾ ہے الزمخشری نے اسے تمثیل بتایا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے: من حفر لاخيه جبّا وقع فيه منكبا ''جو کوئی دوسروں کے لیے کنواں کھودتا ہے خود اُس میں گرتا ہے''۔

سید امیر علی ملیح آبادی (ت ۱۹۱۹م) نے اپنی تفسیر مواہب الرحمٰن میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ ''انہوں نے اہل حق کے زائل و راہ حق کو مٹانے میں جو کوشش کی تھی اس کا وبال انہی پر اللہ تعالیٰ نے لوٹایا، اور مکر و فریب کی چھت انہی پر گر پڑی۔ وہ اس کے نیچے دب کر خود ہی ہلاک ہوئے''۔

ان مذکورہ بالا مستہزئین کے انجام سے پتا چلا کہ آنجناب ﷺ کی شان میں بے ادبی کرنے والے نہ صرف آخرت میں عذاب سے دوچار ہوں گے بلکہ اس دنیا میں بھی ذلت و رسوائی ان کا مقدر ہے۔ عالم اسلام کے سیاسی و مذہبی قائدین کو چاہیے کہ نبی اکرم ﷺ بلکہ جملہ انبیاء علیہم السلام کی ناموس کے لیے عالمی سطح پر قانون سازی کروائیں، جس میں ان مقدس ہستیوں کی شان میں بے ادبی کی سزا سزائے موت سے ہرگز کم نہ ہو۔

❁❁❁

انسانی جان کی حرمت

ذیشان دانش خان

موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے جس کا کوئی ذی شعور انسان انکار نہیں کر سکتا۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ اکثر لوگ اس حقیقت سے کبوتر کی طرح آنکھ بند کیے بیٹھے رہتے ہیں اور اسے اپنے آپ سے بہت دور سمجھتے ہیں۔ لیکن کوئی بھی انسان، خواہ اس کا تعلق کسی مذہب، فرقے، گروہ، قوم یا طبقے سے ہو اور خواہ وہ بڑے سے بڑا سائنسدان یا بڑے سے بڑا مفکر ہی کیوں نہ ہو، وہ اس اٹل حقیقت کے سامنے عاجز اور بے بس ہے۔ دنیا میں ایسے لوگ تو ہیں جو خدا کے منکر ہیں لیکن موت کا منکر کوئی نہیں۔ نیز دنیا میں مختلف مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگوں کے نزدیک میت کو ٹھکانے لگانے کے طریقے بھی مختلف ہیں۔ کوئی میت کو جلا کر راکھ کو بہا دیتا ہے، کوئی تابوت میں ڈال کر دفن کرتا ہے تو کوئی بغیر تابوت کے ہی زمین میں دفن کر دیتا ہے۔ لیکن ان سب میں ایک بات مشترک ہے کہ وہ موت کو اٹل حقیقت مانتے ہیں، یہ دوسری بات ہے کہ موت کے بعد کی زندگی کو مانیں یا نہ مانیں۔

مختصر یہ کہ موت ایک ایسا دروازہ ہے جس سے گزرنے والا کبھی واپس آیا ہے اور نہ ہی آئے گا کہ وہ ہمیں موت کی تکلیف کے بارے میں بتا سکے۔ موت کا ذائقہ کیسا ہے، مرنے والا ہی اس کو جانتا ہے، یہ کوئی زندہ شخص نہیں بتا سکتا جو موت کے دروازے سے نہ گزرا ہو۔ البتہ موت کا ذائقہ ہر ایک کو چکھنا ہے۔ از روئے قرآن: ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ﴾ (آل عمران: ۱۸۵) ''ہر نفس نے موت کا ذائقہ چکھنا ہے''۔ جان کنی کا عالم کیسا ہوتا ہے، اس بارے میں بھی کسی کو معلوم نہیں۔ اس حقیقت کے بارے میں بھی قرآن مجید ہی ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ سورۃ الواقعۃ میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَلَوْلَآ اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ ۝۸۳ وَاَنْتُمْ حِيْنَئِذٍ تَنْظُرُوْنَ ۝۸۴ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ ۝۸۵ فَلَوْلَآ اِنْ كُنْتُمْ غَيْرَ مَدِيْنِيْنَ ۝۸۶﴾

تَرْجِعُوْنَهَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۸۷﴾

''پس جب (مرنے والے کی) رُوح نرخرے تک پہنچ جاتی ہے' اور تم اُس وقت دیکھ رہے ہوتے ہو' اور ہم اُس شخص کے تم سے بھی زیادہ قریب ہوتے ہیں لیکن تم نہیں دیکھ پاتے۔ پس اگر تم کسی کے زیرِ فرمان نہیں ہو (جیسا تم سمجھتے ہو) تو اس روح کو لوٹا کیوں نہیں لاتے اگر تم (خود اختیاری کے دعوے میں) سچے ہو؟''

گویا جب کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو ساری تدبیریں دھری کی دھری رہ جاتی ہیں۔ اُس وقت میڈیکل سائنس کسی کام نہیں آتی' بڑے سے بڑا ڈاکٹر اور سرجن بھی کچھ نہیں کر پاتا اور ''سوری'' کہہ کر پاس سے گزر جاتا ہے۔ جس طرح موت ایک اٹل حقیقت ہے اسی طرح یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ ہر انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اس حقیقت کا بھی ہم نے روزمرہ زندگی میں بارہا مشاہدہ کیا ہوگا کہ ایک حادثے میں پورا گھرانہ چل بسا اور ایک معصوم بچہ جس کی زندگی ابھی باقی تھی' معجزانہ طور پر صحیح سلامت بچ گیا۔ ایسے ہی موقعوں پر یہ کہاوت بولی جاتی ہے'' جسے اللہ رکھے اُسے کون چکھے!''

دوسری یہ حقیقت کہ موت کا ایک وقت معین ہے' اس بات سے بھی دنیا کی اکثریت اتفاق کرتی ہے۔ موت کے لیے کوئی عمر مقرر نہیں ہے' یہ کسی بھی عمر میں آسکتی ہے۔ یہ جوان کو بھی آسکتی ہے اور بوڑھے کو بھی' بچے کو بھی آسکتی ہے اور نوجوان کو بھی۔

اگر یہی موت کسی انسان کو بغیر کسی بیرونی عمل دخل کے آئے تو اسے طبعی موت کہا جاتا ہے اور اگر یہی موت کسی بیرونی سبب کی وجہ سے آئے تو اسی موت کو ہلاکت یا قتل کہا جاتا ہے۔ لیکن اہم سوال یہ ہے کہ انسان ہی انسان کا قتل کیوں کرتا ہے؟ انسان کو اللہ ربّ العزت نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اور مسجودِ ملائک ٹھہرایا ہے۔ یہ وہ شرف ہے جو دنیا کی کسی اور مخلوق کو حاصل نہیں ہے۔ دین اسلام جو دینِ فطرت ہے' اس میں کسی انسانی جان کے ناحق قتل کو پوری انسانیت کا قتل کہا گیا ہے' اور ایک انسان کی جان بچانے کو پوری انسانیت کی جان بچانے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿..... مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ﴾ (المائدۃ:۳۲)

''.....جس نے کسی انسان کو خون کے بدلے یا زمین میں فساد پھیلانے کے سوا کسی اور

وجہ سے قتل کیا اس نے گویا تمام انسانوں کو قتل کر دیا اور جس نے کسی کو زندگی بخشی اُس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔''

اس لیے کہ انسانی جان بہت قیمتی شے ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ایک مرتبہ ہی حاصل ہوتی ہے۔ جس سے یہ نعمت چھن گئی اسے دوبارہ دنیا کی کوئی طاقت زندگی نہیں دے سکتی۔ اسی لیے از روئے قرآن ایک مسلمان کے قتلِ عمد کی سزا جہنم میں داخلہ' اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا﴾ (النساء)

''اور جس نے کسی مؤمن کو جان بوجھ کر قتل کیا تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا۔ اُس پر اللہ کا غضب اور اس کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔''

یعنی قتل اتنا بڑا گناہ ہے کہ جہنم کے عذاب کے علاوہ اللہ کا غضب اور لعنت بھی ناحق قتل کرنے والے کے حصے میں آتی ہے۔

اسلام میں صرف چار صورتوں میں کسی کے قتل کو جائز قرار دیا گیا ہے' اس کے علاوہ تمام صورتیں ناحق قتل کے زمرے میں آتی ہیں۔ ایک حدیث جو صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے' اس ضمن میں ہمیں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((لَا يَحِلُّ دَمُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ يَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَّا بِاِحْدٰی ثَلَاثٍ : اَلنَّفْسُ بِالنَّفْسِ وَالثَّيِّبُ الزَّانِیْ وَالْمَارِقُ مِنَ الدِّيْنِ التَّارِكُ لِلْجَمَاعَةِ))(۱)

''(مندرجہ ذیل) تین صورتوں کے علاوہ کسی مسلمان کا خون حلال نہیں جو یہ گواہی دیتا ہو کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ مَیں (محمدؐ) اللہ کا رسول ہوں: (۱) جان کے

(۱) صحيح البخاری' كتاب الديات' باب قول اللّٰه تعالیٰ ان النفس بالنفس والعين بالعين۔ وصحيح مسلم' كتاب القسامة والمحاربين والقصاص والديات' باب ما يباح به دم المسلم۔

بدلے جان (قاتل)‘ (۲) شادی شدہ زانی‘ (۳) مرتد (دین کا تارک)‘‘

ایک دوسری حدیث میں چوتھی صورت یعنی حربی کافر کو بھی قتلِ ناحق سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔ حربی کافر وہ ہوتا ہے جو میدانِ جنگ میں اسلامی لشکر جو خلیفۃ المسلمین کی سربراہی میں کفار سے برسرِ پیکار ہو‘ کے خلاف لڑنے کے لیے آیا ہو۔ پہلی تین صورتیں یعنی شادی شدہ زانی‘ قاتل اور مرتد کو قتل کرنے کی سزائیں معاشرے سے ان جرائم کی بیخ کنی کے لیے رکھی گئی ہیں‘ اور چوتھی اور آخری صورت میں مسلمانوں کے خلاف میدانِ جنگ میں نبرد آزما کفار کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے‘ البتہ جنگ میں بوڑھوں‘ عورتوں‘ بچوں اور معذوروں کے ساتھ نرمی کرنے کی ہدایت دی گئی ہے۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ انسانی جان کا قتل اتنا عام ہو چکا ہے کہ اس سے پہلے کبھی نہ تھا۔ ماضی قریب میں نائن الیون کا واقعہ رونما ہوا۔ اس کے بعد تمام عالم اسلام میں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا۔ اب ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۷ء (محترمہ بے نظیر بھٹو کی پاکستان آمد) کے دن سے پاکستان میں خودکش دھماکوں کا سلسلہ تیزی پکڑ گیا ہے‘ جن میں مجموعی طور پر اب تک ہزاروں افراد لقمۂ اجل بن چکے ہیں۔ اسلام تو ایک انسان کے قتل کو ایسا نقصانِ عظیم قرار دیتا ہے کہ اسے پوری انسانیت کے قتل سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہاں دسیوں نہیں‘ بیسیوں نہیں‘ سینکڑوں لوگوں کے پرخچے اڑا دیے گئے ہیں اور یہ سلسلہ رکتا نظر نہیں آتا۔ ان لوگوں میں وہ عام شہری بھی تھے جن پر متذکرہ بالا چاروں صورتوں میں سے کسی ایک کا شائبہ تک نہ تھا۔ پھر انہیں کیوں موت کی نیند سلا دیا گیا؟ ان کے بوڑھے والدین کا سہارا کیوں توڑ دیا گیا؟ ان کی بیویوں کے سہاگ کیوں چھین لیے گئے؟ ان کے بچے کیوں یتیم بنا دیے گئے؟ کس جرم میں؟ وہ تو وہاں ویگن کے انتظار میں کھڑے تھے یا کسی کام سے وہاں گئے تھے۔ اتنا سب کچھ کیوں؟.....اور آخر کس لیے؟؟

اس سے بھی زیادہ ظلم وستم کا مظاہرہ دنیا کی سُپر پاور امریکہ نے افغانستان میں عام شہریوں سے لے کر نسبتاً نہتے طالبان کو خاک وخون میں نہلا کر کیا۔ دوسری طرف اسی امریکہ کے اشارے پر جامعہ حفصہ میں محصور پردہ دار خواتین پر آتش وآہن کی بارش کر دی گئی اور ان کے معصوم جسموں کو ریزہ ریزہ کر دیا گیا۔ کیا ان کا ’’جرم‘‘ اتنا بڑا تھا کہ انہیں خون میں نہلا دیا جائے اور نیست ونابود کر دیا جائے؟ کیا ان کے ساتھ مذاکرات کے ذریعے معاملات حل نہیں ہو سکتے تھے؟ وہ تو اسلامی جمہوریہ پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کا خواب دیکھ رہے تھے۔

پھر کیوں انہیں اس بے دردی کے ساتھ قتل کیا گیا اور اپنے اس ہولناک ظلم پر پردہ ڈالنے کے لیے میڈیا کو اس سے دُور رکھا گیا؟ اس سے پہلے لال مسجد والوں کی ذرا سی بات کو عوام کے سامنے ہوّا بنا کر پیش کرنے کے لیے میڈیا کو کھلی اجازت دی گئی تھی۔ مگر جب اپنا کام نکل گیا تو اُسی میڈیا کو پیچھے ہٹا دیا گیا اور اسے اپنی ظالمانہ کارروائیوں کی کوریج سے روک دیا گیا۔ یہ کہاں کا انصاف اور کہاں کی حکومت ہے؟

نام نہاد دہشت گردی کے نام پر اپنوں کا خون اور خودکش حملوں کے علاوہ ذاتی دشمنی، جائیداد کے تنازعے، اور پیسے کی لالچ ایسے عوامل ہیں جن کی وجہ سے آئے دن قتل کی خبریں اخبارات میں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ جیسا کہ مؤرخہ ۲۴ جنوری ۲۰۰۸ء کی اخباری رپورٹ کے مطابق ۷ سال کے دوران ۳۲ ہزار بچے قتل، جسمانی تشدد، پولیس تشدد، انسانی تجارت اور اغواء کا شکار ہوئے۔ ایک سالانہ رپورٹ کے مطابق صرف ۲۰۰۷ء کے دوران ۲۶۷ بچے قتل کیے گئے، ۵۲۶ پر جسمانی تشدد کے واقعات سامنے آئے اور ۳۲۴ بچے انسانی تجارت کی نذر ہو گئے۔ (۲۳ جنوری ۲۰۰۸ء)

دوسری خبر میں راولپنڈی چھاؤنی کے علاقے پیپلز کالونی میں نامعلوم حملہ آوروں نے میاں، بیوی اور ۲ بچوں سمیت پانچ افراد کو سر پر ہتھوڑے اور پیٹ میں چھریاں مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا۔ (۲۲ جنوری ۲۰۰۸ء)

جس معاشرے میں اتنے سفاکانہ طریقوں سے انسانی جانوں کو قتل کیا جاتا ہے، اس کے تباہ ہونے میں کوئی شک نہیں کیا جا سکتا۔ یہ بات طے ہے کہ حکومت کی یہ اوّلین ذمہ داری ہے کہ وہ عوام کی جان و مال کی حفاظت کو یقینی بنائے اور ان کے اندر خوف و ہراس اور عدم تحفظ کا احساس پیدا کرنے والی قوتوں کو جڑ و بنیاد سے ختم کرے۔ اگر حکومت اپنی اس بنیادی ذمہ داری کو نہیں نبھا سکتی تو پھر اسے حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔

❁❁❁

اسلام نظر آنا چاہیے!

آج دین داروں کی تعداد ایک خوشگوار تبدیلی کے لیے کافی ہے

تحریر: اکبر شہباز ☆

فہم و فراست اور مذہبی سوجھ بوجھ رکھنے والے افراد دعویٰ کرتے ہیں کہ ہر دور کے مسائل کا حل دین اسلام میں موجود ہے۔ ان کا اصرار ہے کہ امن و سکون، معاشرے کی فلاح و بہبود اور اس کی خوشحالی، رواداری، فروغِ کاروبار، ملک میں معاشی ترقی، سیاسی استحکام، اسلام اور پاکستان کا دنیا میں باعزت مقام صرف دین کے بتائے ہوئے طریقوں پر عمل کر کے حاصل کیا جا سکتا ہے۔ ملک و قوم کی خوشحالی اور تمام مسائل اگر دین اسلام پر عمل کرنے سے حاصل ہو سکتے ہیں تو پھر آج اس کا عملی مظاہرہ ہونا چاہیے.....اسلام نظر آنا چاہیے!

بحیثیت مکمل ضابطہ حیات، اسلام میں اخلاقی، تعلیمی، معاشی، سیاسی، معاشرتی اور زندگی کے دیگر تمام تر شعبوں کے لیے عملی اور مثبت نظام موجود ہے۔ معاشرتی اصلاح کے لیے رسول اللہ ﷺ نے اپنے آخری خطبہ میں مساوات کا بہترین درس فرمایا۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اسلام میں کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کسی شخص کا مقام و مرتبہ صرف تقویٰ کی بنیاد پر بلند ہوتا ہے''۔

نبی کریم ﷺ نے کئی سیاسی معاہدات کیے جن کی افادیت وقت کے ساتھ ثابت ہوئی، جیسے میثاقِ مدینہ، جو مدینہ منورہ کے اطراف بسنے والے مقامی یہودی قبائل سے کیا، جس کے تحت یہود پابند کر دیے گئے تھے کہ مدینہ منورہ پر بیرونی حملے کی صورت میں وہ مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔

علاوہ ازیں اسلامی تاریخ میں طبی، ماحولیاتی، سائنسی اور سمندر کی تہہ سے لے کر آسمانوں کی وسعت تک انسانی تحقیق و تجسس کی منہ بولتی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً الجبرا، علمِ فلکیات اور دیگر بے شمار علوم و ایجادات ماضی میں مسلمانوں ہی کے مرہونِ منت رہے۔ طبی لحاظ سے

☆ پریذیڈنٹ قرآن اکیڈمی، المنائے (Alumni)

انبیاء ورُسل علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ نے کئی سو سال پہلے ہی کم خوراک کھانے کی افادیت بتائی اور خود اس پر عمل کر کے دکھایا۔ کم سے کم خوراک کا استعمال انسانی صحت کے لیے ایک ایسا اصول ہے کہ اس سے انفرادی طور پر ایک مضبوط انسان اور اجتماعی طور پر ایک طاقتور قوم وجود میں آتی ہے۔ آج کل میڈیکل سائنس بھی کم خوراک کی اہمیت اور افادیت کو تسلیم کرتی ہے۔ اسی طرح انسانی اقدار اور حقوق کی جو باتیں اقوام متحدہ کے منشور میں زبانی جمع خرچ تک محدود ہیں اُن پر ۱۴۰۰ سال سے زیادہ عرصہ پہلے نبی کریم ﷺ نے عمل کر کے رہتی دنیا تک کے لیے روشن مثال پیش کر دی۔

مسلمانوں کی تاریخ میں گاہے بگاہے اسلام اپنی عملی شکل میں نظر آتا ہے' لیکن وقت کے ساتھ دھندلا ہوتا چلا جاتا ہے۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

تھے تو وہ آباء تمہارے ہی مگر تم کیا ہو؟
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو!

آج مسلمانوں کو ایک بار پھر قرآن حکیم اور سنتِ رسول ﷺ سے رہنمائی لینے کی ضرورت ہے' کیونکہ ان میں سارے عالم کے مسائل کا حل موجود ہے۔

علامہ اقبال نے قرآنِ حکیم کے پیغام کی ترجمانی یوں فرمائی:

کوئی قابل ہو تو ہم شانِ کئی دیتے ہیں
ڈھونڈنے والوں کو دنیا بھی نئی دیتے ہیں

یہ تو ایک بہت ہی خوش آئند مشاہدہ ہے کہ الحمدللہ' آج پاکستان میں دین داروں کی تعداد اتنی ہو چکی ہے کہ وہ باہم مل کر دین کی خوشبو سے اس سرزمین کو مہکا سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اکرم ﷺ کے نام لیوا تمام لوگوں کو اپنے حسنِ اخلاق اور دینی تدبیر کا عملی مظاہرہ کرنا چاہیے.....اسلام اب نظر آنا چاہیے۔

ایک وقت تھا جب مساجد میں چند ہی لوگ' جن میں زیادہ تعداد غریب غربا کی ہوتی تھی' نمازیں پڑھتے نظر آتے تھے۔ لوگ بہت کم تعداد میں مسجدوں کا رُخ کرتے۔ معاشرے میں داڑھی والے مرد اور حجاب والی خواتین اتنی تعداد میں نہیں ہوتے تھے جتنی تعداد میں الحمدللہ آج کل نظر آتے ہیں۔

خوش آئند اور امید افزا رجحان

دیکھا جائے تو آج کے حالات ماضی سے کچھ مختلف اور امید افزا ہیں۔ اب دین داروں

کی تعداد ماشاءاللہ بہت زیادہ ہوچکی ہے۔ آج دُنیوی لحاظ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ بھی دین کا علم حاصل کررہے ہیں اوراس کا عملی مظاہرہ بھی کررہے ہیں۔

چندسال قبل علماء نے محسوس کیا کہ متمول اور مخیّر حضرات دینی مدارس یا مسجدوں کو محض مالی امداد دینے تک ہی اپنے آپ کو محدود رکھے ہوئے ہیں۔ علماء کرام اپنے خطبات میں لوگوں کو تلقین کرنے لگے کہ اسلام کو اب دولت سے زیادہ پڑھے لکھے لوگوں اور عالموں کی ضرورت ہے۔ لہٰذا اس وقت دین کی بہترین خدمت یہ ہے کہ با اثر اور صاحبِ حیثیت افراد اپنے بچوں کو دین کے کاموں میں لگائیں اور عالم بنائیں۔

الحمدللہ رفتہ رفتہ یہ رجحان شروع ہوا اور آج یہ عمل بڑی کامیابی سے جاری ہے۔ آج ماشاءاللہ لوگ بڑے فخر سے اپنے بچوں کو دینی ماحول میں ڈال رہے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ قرآن مجید کو سمجھ کر پڑھا جائے۔ نتیجے کے طور پر آج بیسیوں اسکول اور ادارے کھل چکے ہیں جو دُنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ بچوں کو دینی تعلیم کے زیور سے بھی آراستہ کرتے ہیں۔ آج امریکہ اور یورپ میں مقیم پاکستانی اپنے بچوں کو دین کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے پاکستان بھیج رہے ہیں۔

دین سے آگاہی (awareness) اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا رجحان ایک بڑی خوشخبری ہے۔ تاریخ میں ایسے رجحان کو نشأۃِ ثانیہ (Renaissance) کا نام دیا جاتا ہے۔ یعنی Revival & Rebirth of Learning۔ مزید ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ عمل مسلمانوں میں زیادہ سے زیادہ فروغ پذیر ہو اور جلد از جلد پایۂ تکمیل کو پہنچے۔

دین داروں کی اکثریت

ایک اندازے کے مطابق اگر تمام دینی جماعتوں کے افراد اور مختلف مکاتب فقہ سے تعلق رکھنے والوں کے اعداد وشمار جمع کیے جائیں تو ملک میں دین دار افراد یا دین سے محبت رکھنے والے لوگ معتد بہ تعداد میں ملیں گے۔ پھر جب ملک میں دین سے محبت کرنے والوں کی ایک بہت بڑی تعداد موجود ہے تو پھر کیوں نہ اللہ اور رسول ﷺ سے محبت کرنے والے تمام افراد حرکت میں آئیں اور ایسا لائحہ عمل تیار کریں جس سے معاشرے میں بسنے والے افراد یہ تبدیلی دیکھ کر اسلام کی روح پہچان سکیں اور دین سے محبت کرنے لگیں۔

کچھ لوگ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے دشمنوں نے مسلمانوں کو مختلف گروہوں اور فرقوں میں تقسیم کررکھا ہے جس کی وجہ سے لوگ اپنی تمام تر صلاحیتیں اور قوتیں دین کی سربلندی اور وقار

کے لیے صرف کرنے کی بجائے اپنے عمل اور اپنے اپنے خیالات دوسروں پر ٹھونسنے پر لگے رہتے ہیں اور دشمنوں کے عزائم کی تکمیل میں مدد دیتے ہیں۔ ایسے لوگ دین اسلام کو کمزور اور بدنام کرنے میں مددگار ثابت ہو رہے ہیں۔ دنیا میں کئی جگہ دین سے حقیقی محبت کرنے والوں کو ایسے دیوار سے لگا دیا جاتا ہے کہ وہ جواب میں انتہائی قدم اُٹھانے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

حکمت اور دانائی کی ضرورت

آج اسلام سے محبت کرنے والوں کو اس طرح کی بہت سی باتوں کا خیال رکھنا ہوگا۔ اس معاملے میں ہوشیار رہنا ہوگا کہ کہیں دشمن انہیں corner کر کے کسی انتہائی قدم اُٹھانے کی طرف تو نہیں لے جا رہا ہے؟ کیا دشمن یہی تو نہیں چاہ رہا ہے کہ مسلمان غلطیوں پر غلطیاں کرتے جائیں اور وہ انہیں جواز بنا کر مسلمانوں کے خلاف طاقت استعمال کرنے لگے۔ ایک بات یاد رکھنے کی ہے کہ کچھ عرصہ سے دین اسلام سے محبت اور اسے نافذ کرنے کی خواہش کرنے والوں کے خلاف ان کی اپنی حکومتیں جو انتہائی اقدامات کر رہی ہیں تو وہ زیادہ تر اسلام پسندوں کی جلد بازی اور غلط طریقہ کار کی وجہ سے کر رہی ہیں۔ یہ حکومتیں اپنے عوام کو اسلام کے خلاف کرنے میں اتنی کامیاب ہوگئی ہیں کہ عوام کی اکثریت بھی ان حکومتی اقدامات کو صحیح قرار دے رہی ہے۔

تعلقاتِ عامہ کا دَور

اسلام پیغام ہے امن و محبت کا، رواداری اور بھائی چارے کا، خوشگوار اور مشترکہ ربط (collective well being) کا، اور یہی نام ہے ایک مثبت اور مؤثر تعلقاتِ عامہ کا۔ آج کا المیہ یہ ہے کہ اسلام کو اس کی صحیح روح اور صحیح جذبے کے ساتھ نہیں پیش کیا جا سکا۔ ہمارے ذرائع ابلاغ، ہماری قیادت اور ہمارے دانشور اپنی تمام تر فصاحت و بلاغت، حکمت، قابلیت اور ہنر کے باوجود اسلام کو بحیثیت پیغامِ محبت اور بھائی چارہ نہ پیش کر سکے۔ لہٰذا ضرورت ایسے تعلقات عامہ کی ہے جو ہر شعبۂ زندگی میں آج کے جدید تقاضوں کے تحت اسلام کی صحیح عکاسی کر سکیں۔

حالیہ دَور میں چند مثالیں موجود ہیں کہ کسی ایک گروپ نے ملک بھر میں دین کا نظام جبراً قائم کرنے کی کوشش کی لیکن ابتدائی کامیابیوں کے باوجود ناکام ہوئے۔ آج کا دور تعلقاتِ عامہ (public relations) کا دور ہے۔ آپ جو بھی اقدام کریں، چاہے وہ کسی فیکٹری کا انتظام ہو یا کسی ملک کا نظام، اس میں لوگوں کو تعلیم دے کر اور اپنے اقدامات کا جواز سمجھا بجھا

کر اور اعتماد میں لے کر ہی کوئی قدم اٹھانا ہوتا ہے۔ اور یہ کوئی مشکل کام بھی نہیں ہے۔ آج تعلقاتِ عامہ کے اصولوں پر ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں جن پر تمام ترقی یافتہ ممالک عمل کر کے اپنا نظام خوش اسلوبی سے چلا رہے ہیں۔

اگر ہم مکی دور میں دین اسلام کا تعارف کراتے وقت رسول اللہ ﷺ کے اقدامات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ نے بھی ایک حکمت عملی (strategy) پیش کی تھی جس کے تحت پہلے مرحلے میں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی یہاں تک کہ دوسروں کے جبر اور ظلم کا جواب بھی بھلائی اور صبر سے دینے کا حکم تھا۔ آپ ﷺ نے تلقین کی کہ پہلے دین اسلام کا پیغام زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچایا جائے۔ پھر ایک خاطر خواہ تعداد میں مسلمان موجود ہوں تو اس کے بعد انہیں منظّم (organized) کیا جائے' مضبوط کیا جائے اور پھر لوگوں کو برائی سے روکنے کا حکم دیا جائے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو منظّم اور تیار کیا اور مدنی دور میں اقدام کا مرحلہ پیش آیا۔ یہ بات آج بھی ہماری رہنمائی کے لیے کافی ہے کہ آپ ﷺ نے ایک ضابطۂ حیات پیش کیا اور دین کا غلبہ کامیابی سے سرانجام دینے کی اعلیٰ مثال پیش کر دی۔

خوشگوار تبدیلی کے لیے طریقہ کار

آج ہمارے معاشرے میں مغرب کے تعلیم یافتہ لوگ تو بہت بڑی تعداد میں موجود ہیں' لیکن ان میں بہت سے مسلمان ایسے ہیں جن کو دین کا پیغام مکمل طور پر نہیں مل سکا' قرآن حکیم کا صحیح مفہوم نہیں ملا اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیم اور سیرت سے تعارف نہ ہو سکا۔ اس صورتِ حال کی وجہ چاہے تعلیمی نظام ہو یا انفرادی طور پر ہمارے گھروں میں تربیت کا فقدان' ہمیں نئے سرے سے کوشش کر کے اپنے بھائی بہنوں کو دین کے علم سے واقفیت کرانی ہوگی۔ اور یہ کام اللہ کے نبی ﷺ کے طریقے پر کرنا ہوگا' یعنی اپنے آپ کو اتنا باکردار بنائیں اور اپنے حسن اخلاق کا ایسا مظاہرہ کریں کہ ملک بھر کی فضا اسلام کی خوشبو سے مہک اٹھے۔ جو لوگ اس وقت دین کو پڑھ کر اچھی طرح سمجھ چکے ہیں وہی لوگ اس کی ابتدا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو لازم ہو جاتا ہے کہ دین کے اس تقاضے کو پورا کریں جس کے تحت پہلے خود دین کا علم سیکھیں اور پھر دوسروں کو وہی چیز پہنچائیں جو خود اپنے لیے پسند کی ہے۔

دین کو پھیلانے کے لیے آپ کا بہت بڑا عالم ہونا بھی ضروری نہیں ہے جیسا کہ حکم ہے کہ ''پہنچاؤ میری جانب سے خواہ ایک ہی آیت''۔ یہی اس جدوجہد میں آپ کا حصہ ہوگا جو اللہ

تعالیٰ بہت خوشی سے قبول فرمائے گا۔ اِن شاء اللہ!

ہمیں اس بات کو غنیمت سمجھنا چاہیے کہ ہمارے ملک میں ابھی بھی اظہارِ رائے کی آزادی برقرار ہے۔ بدقسمتی سے بہت سے مسلم ممالک میں جمعہ کا خطبہ بھی سرکار کی طرف سے آتا ہے جو امام صاحب پڑھ کر سنا دیتے ہیں اور بس! اپنی طرف سے تو وہ کچھ بھی نہیں کہہ سکتے' کیونکہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ آج ہمیں اظہارِ رائے کی اس آزادی کو بڑے احسن طریقے سے دین کی سربلندی کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

جو لوگ اسلام سے محبت رکھتے ہیں اور اس کی سربلندی کے لیے محنت کرنا چاہتے ہیں یا اسلام کا عملی طور پر نفاذ دیکھنے کے لیے کوشاں ہیں انہیں چاہیے کہ وہ معاشرے میں ایسا مثالی انداز اپنائیں اور اپنے حسن اخلاق سے ایسی مثال پیش کریں کہ لوگ محسوس کرنے لگیں کہ اس دنیا میں جو افراتفری نظر آتی ہے' ماحول میں جو بے اعتباری' تنگ نظری اور بددیانتی پروان چڑھ چکی ہے' اور انسان خودغرضی اور بے غیرتی کا شکار ہوتا نظر آ رہا ہے' ان سب برائیوں کا حل دین اسلام میں موجود ہے۔ اسلام سے محبت کرنے والے اپنے آپ کو ایسا پیش کریں اور دین کے پیغام اور تعلیم کا ایسا عملی مظاہرہ کریں کہ ایک بار پھر دین اسلام پر لوگوں کا اعتماد بحال ہو جائے اور لوگ تمام مسائل کا حل صرف دین اسلام میں تلاش کرنے لگیں اور کامیابی حاصل کریں۔

دین اسلام سے محبت رکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ ایک مشن کے طور پر اپنے اپنے دائرۂ اثر میں' اپنے اردگرد کے لوگوں کو اپنے حسن اخلاق اور نیکیوں کے اظہار سے اسلام دکھائیں اور روزمرہ معاملات احسن طریقے سے سرانجام دے کر اسلام سے زبانی کلامی اظہارِ محبت کے بجائے لوگوں کو اسلام ''محسوس'' کرائیں' لوگوں کو اسلام کا تجربہ کرائیں' لوگوں کو اسلام سے فائدہ پہنچائیں۔ دین کے چاہنے والوں کو چاہیے کہ ''السلام علیکم'' کو اپنی پہچان بنائیں' لوگوں کی نصرت اور مدد کو اپنا شعار بنائیں اور اپنے دلوں میں لوگوں کے لیے ایسی محبت رکھیں کہ وہ محبت ان کے چہروں پر نظر آنے لگے۔ اب دین اسلام کی خوشبو سے اس سرزمین کو مہک جانا چاہیے۔ غرض یہ کہ اسلام کا عملی مظاہرہ ہونا چاہیے اور وہ بھی اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات کے شایانِ شان..... اسلام اب نظر آنا چاہیے!

اللہ تعالیٰ اس خوشگوار تبدیلی کے لیے ہم سب کی مدد فرمائے..... آمین! ثم آمین!! ۞

1

جدید دنیائے اسلام

قسط وار سلسلہ (54)

سینی گال

(SENEGAL)

تحقیق وتحریر: سید قاسم محمود

سینی گال: ایک نظر میں

پورا نام: جمہوریۂ سینی گال
صدر: عبدالعلی ودی (2000ء)
رقبہ: 196,190 مربع کلومیٹر
آبادی: تقریباً دو کروڑ
سالانہ شرح پیدائش: 2.52 فیصد
گنجانی آبادی: 143 فی مربع میل
دارالحکومت: ڈاکار (آبادی 26 لاکھ)
زبانیں: فرانسیسی، وولف، پولار، جولا، منڈنیکا
مذاہب: مسلمان 94 فیصد، لا مذہب ایک فیصد، عیسائی 5 فیصد
شرح خواندگی: 40.2 فیصد
کل قومی پیداوار: 18 ارب ڈالر سالانہ
افرادی قوت: 48 لاکھ
بے روزگاری: 48 فیصد
قابل کاشت رقبہ: 12.78 فیصد
زراعت: مونگ پھلی، جو، مکئی، چاول، کپاس، سبزیاں، مویشی
صنعت: ماہی گیری، کان کنی، کھاد، تیل کی صفائی، تعمیراتی سامان
برآمدات: 1.42 ارب ڈالر (پھلی، مٹر، تیل کی مصنوعات، فاسفیٹ، کپاس)
درآمدات: 1.8 ارب ڈالر (غذائیں، مشروبات، اشیائے صرف، پٹرول)
تجارتی ساتھی: فرانس، بھارت، نائیجیریا، مالی، اٹلی، تھائی لینڈ، اسپین
کل فوج: 12 ہزار
اخبارات کی خواندگی فی ہزار: 10
کاروں کی تعداد فی ہزار: 20

جس وقت یہ مختصر سا مضمون لکھا جا رہا ہے، اُس وقت سینی گال کے دارالحکومت ڈاکار میں اسلامی سربراہی کانفرنس کی تنظیم کا اجلاس جاری ہے۔ یہی ایک بات شمال مغربی افریقہ کے اس ملک کے مسلم ہونے کی اہمیت جتانے کے لیے کافی ہے۔ اس کے شمال میں ماریطانیہ، مشرق میں مالی، جنوب میں گنی اور گنی بساؤ اور مغرب میں بحراوقیاس واقع ہے۔ سینی گال (سینیغال) کی وجۂ تسمیہ معلوم نہیں۔ محققین کی اکثریت نے اسے بربر قبیلے ''صنہاجہ'' سے مشتق بتایا ہے۔ اس قبیلے کے افراد دریائے سینی گال کی زیریں گزرگاہ میں آباد ہیں جو گیمبیا کی 200 میل لمبی اور بیس میل چوڑی، ایک پتلی پٹی کی صورت میں سینیگال کے اندر دُور تک چلی گئی ہے۔

اسلام کی آمد سے قبل یہاں فرنگیوں کی امارتیں قائم تھیں، جن میں تکرور کی ریاست قابل ذکر ہے۔ المرابطون کی دینی دعوت کا آغاز 1040ء میں جنوبی سینی گال کے ایک زاویے سے ہوا۔ ان کی تبلیغی کوششوں سے تکرور کا زنگی امیر اور اس کے عمائد سلطنت مشرف باسلام ہوئے۔ گیارہویں صدی

عیسوی میں بنوسرا کلہ بھی اسلام لے آئے۔ یہ قبائل دریائے سینی گال اور دریائے نیجر کے درمیان آباد تھے۔انہوں نے تکلور میں اسلام پھیلایا۔ بنوسرا کلہ نے ایک عظیم سلطنت قائم کی جو گھانا سے مراکش تک وسیع تھی۔

1800ء میں فوتا کے امیر عثمان فوریہ نے الحوصہ فتح کر کے ''دولت سکوتو الاسلامیہ'' کی داغ بیل ڈالی۔1845ء میں الحاج عمر تل نے زنگیوں کی بقیہ امارتیں فتح کر لیں۔

اس اثنا میں پرتگیز، انگریز اور فرانسیسی بھی ملک کے بعض ساحلی مقامات پر آبادیاں قائم کر کے آہستہ آہستہ اپنے قدم جما رہے تھے۔ یہ وہی زمانہ تھا جب یہی مغربی قومیں ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر بستیاں آباد کر رہی تھیں۔ 1444ء میں سب سے پہلے پرتگیزی کیپ وردے پر اترے۔ انہوں نے دریائے سینی گال کے دہانے پر کئی فیکٹریاں قائم کیں۔ 1638ء میں فرانسیسی آئے۔ انہوں نے 1659ء میں سینٹ لوئی کا شہر بسایا۔

1693ء سے 1814ء تک ساحل سینی گال پر قبضے کے لیے انگریزوں اور فرانسیسیوں میں جنگیں ہوتی رہیں۔1818ء سے 1889ء تک فرانسیسی سلطنت تکرور (یا تکلور) کا شیرازہ بکھیر کر سینی گال کو اپنی نوآبادی بنا چکے تھے۔اس سے پہلے 1840ء میں فرانس نے سینی گال پر قبضہ کر کے ڈاکار کو سارے علاقے کا انتظامی مرکز قرار دیا۔ڈاکار اوقیاس کے ساحل پر واقع ایک بندرگاہ ہے اور اس وقت بھی سینی گال کا دارالحکومت ہے۔اس کی دونوں جانب دریائے سینی گال اور دریائے گیمبیا ایک جزیرہ بناتے ہوئے سمندر میں گرتے ہیں۔ابتدا میں ڈاکار ایک ساحلی گاؤں تھا، جہاں لیبو کا قبیلہ آباد تھا۔ 1617ء میں ولندیزیوں نے جزیرہ گوری پر قبضہ کیا جو ڈاکار کے قریب واقع تھا۔ 1677ء میں فرانسیسی یہاں آئے، جنہوں نے بعد میں پورے ملک پر قبضہ کر لیا۔

1885ء میں مغربی افریقہ کی پہلی ساحلی ریلوے لائن تعمیر ہوئی جو سابقہ دارالحکومت سینٹ لوئی سے ڈاکار تک جاتی تھی۔1904ء میں ڈاکار فرانسیسی مغربی افریقہ کا صدر مقام بنا۔اپریل 1959ء میں وفاق مالی وجود میں آیا تو اس کا دارالحکومت بننے کا شرف اسی شہر کو حاصل ہوا۔ یہ وفاق دیرپا ثابت نہ ہوا اور ایک سال کے بعد ٹوٹ گیا۔

ازاں بعد سینی گال فرانسیسی مغربی وفاق کا صدر مقام بن گیا۔1946ء میں سینی گال فرانسیسی یونین کا علاقہ قرار دیا گیا اور اس ضمن میں اس علاقے کے دو ممبروں کو فرانسیسی اسمبلی میں دو نشستیں حاصل ہو گئیں۔

1958ء۔داخلی خودمختاری حاصل ہوئی۔

1959ء۔سینی گال اور مالی کو مدغم کر کے ''وفاق مالی'' کا قیام عمل میں آیا۔

1960ء ۔ 20اگست کو سینی گال اس وفاق سے علیحدہ ہو گیا۔ لیوپولڈ سینگور پہلے صدر مأمور ہوئے۔

1962ء۔حکومت نے مالی اور مراکش پر الزام لگایا کہ وہ حکومت سینی گال کا تختہ الٹنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

1967ء۔ایک اعلیٰ سرکاری ملازم نے صدر سینگور کی حکومت کا تختہ الٹنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ملزم کو سزائے موت دی گئی۔

1968ء۔صدر سینگور کی جماعت نے انتخابات میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔اس کے کچھ عرصہ بعد ڈاکار یونیورسٹی کا ایک طالب علم پولیس کے ہاتھوں مارا گیا اور اس ضمن میں طلبہ نے ہنگامے شروع کر دیے۔حکومت نے ان ہنگاموں کو سختی سے کچل دیا۔

1969ء۔طلبہ نے پھر ہنگامے کھڑے کر دیے۔حکومت نے ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا۔

1970ء۔نئے آئین کی منظوری کے لیے ریفرنڈم ہوا۔ پارلیمانی نظامِ حکومت قائم کیا گیا اور عبدہٗ دیوف کو وزیراعظم مقرر کیا گیا۔

1973ء۔شدید خشک سالی کے باعث فصلیں تباہ ہو گئیں۔ سینی گال مغربی افریقہ کی اقتصادی برادری میں شامل ہوا۔

1974ء۔''سینی گال جمہوری پارٹی'' کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت وجود میں آئی۔

1976ء ۔ دارالحکومت ڈاکار میں ''تنظیم افریقی اتحاد'' اور عرب لیگ کی مشترکہ کانفرنس ہوئی؛ جس میں سینی گال کے صدر سینگور نے تجویز پیش کی کہ ان دونوں تنظیموں کا ادغام ہونا چاہیے اور ایک ایسی مصالحتی یا ثالثی عدالت قائم ہونی چاہیے جس میں افریقی ممالک کے باہمی تنازعات کا تصفیہ ہوا کرے۔

1978ء ۔ بارہ برس کے بعد پہلی مرتبہ کثیر جماعتی انتخابات ہوتے ہیں۔صدر سینگور جیت جاتے ہیں۔

1979ء۔تین ملکوں میں بہنے والے دریائے سینی گال کے ایک برقابی پروجیکٹ پر کام شروع ہوتا ہے۔

1980ء۔جمہوری پارٹی کی قیادت میں حزبِ اختلاف کے ایک ہزار سے زائد ارکان ایوانِ صدر کے سامنے احتجاجی مظاہرے کرتے ہیں۔ سینی گال لیبیا سے سفارتی تعلقات منقطع کر لیتا ہے۔ 31دسمبر کو صدر سینگور سیاست سے سبکدوش ہو جاتے ہیں۔

1981ء۔ یکم جنوری کو عبدہٗ دیوف صدارت کا عہدہ سنبھالتے ہیں۔ نیشنل اسمبلی ایک قانون بناتی ہے، جس کی رو سے سیاسی جماعتوں کی تشکیل اور سرگرمیوں پر سے ہر طرح کی پابندیاں اٹھالی جاتی ہیں۔ نیشنل اسمبلی ایک قرارداد کے ذریعے گیمبیا کے ساتھ کنفیڈریشن میں شامل ہونا منظور کر لیتی ہے۔

1982ء۔ ''سینی گیمبیا'' کے نام سے دو ملکوں پر مشتمل کنفیڈریشن وجود میں آتی ہے۔ طے پایا کہ دونوں اپنی اپنی جگہ خود مختار ہوں گی۔ صرف دفاع اور مالی امور مشترک ہوں گے۔

1987ء۔ جون کے انتخابات میں عبدہٗ دیوف کو دوبارہ صدر منتخب کیا گیا۔

1997ء۔ پورا سال کیسامنس کے علاقے میں علیحدگی پسندوں اور سرکاری فوج میں تصادم ہوتے رہے۔

2000ء۔ مارچ میں صدارتی انتخابات ہوئے جو عبدہٗ دیوف کے معاصر عبدالعلی ودی نے 60 فیصد ووٹ لے کر جیت لیے۔ یوں وہ صدر بن گئے۔ عبدہٗ دیوف نے پرامن انتقالِ اقتدار میں پورا تعاون کیا۔

2001ء۔ نیا آئین منظور ہوا۔ اس کے تحت حزب اختلاف کی سیاسی جماعتوں کو قانونی حیثیت دے دی گئی۔

۞۞۞